اردو ماہیا



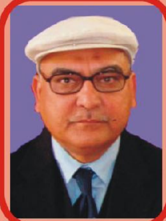
حیدر قریشی

اردو ماہیا

حیدر قریشی

Urdu Mahiya

By Haider Qureshi



اردو ماہیے کے مباحث میں اس کے اوزان سے لے کر اس کے مزاج تک کئی امور زیرِ بحث آئے۔ان مباحث کا سیلابی دور گزر چکا ہے۔مجموعی طور پر تین سو سے زیادہ شعراء نے اپنی تخلیقی حیثیت کو اس صنف میں آزمایا۔ان میں کئی بھرتی کے لکھنے والے تھے تو کئی تخلیقی لحاظ سے زرخیز ذہن بھی شامل تھے۔ایک وقت تک تو تعداد میں اضافہ کا مزہ آتا رہا لیکن ساتھ ہی ماہیے کے معیار کی فکر بھی دامنگیر رہی۔معیار کے مسئلہ پر مخالفین تو محض اعتراض کی خاطر طنز کرتے رہے لیکن ماہیے کے بہی خواہوں کی ایک بڑی تعداد خود بھی ماہیے کے مستقبل کے حوالے سے اس کے معیار کے سلسلہ میں فکر مند رہی۔پھر ایک مرحلہ آیا جب لگا کہ ماہیے کو ہمارے مخالفین نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا ہمارے اپنے ''نادان دوستوں'' نے نقصان پہنچا دیا ہے۔اس نقصان میں بیزار کر دینے کی حد تک تکرار جیسے انداز کے مضامین، بے وزن ماہیوں کے مجموعوں کی اشاعت سے لے کر ایسے مجموعوں پر داد و تحسین کی کتابوں کی اشاعت تک کے المیے شامل ہیں۔تاہم مجھے اتنا اطمینان رہا کہ علمی لحاظ سے ماہیے پر جتنا کام کر دیا گیا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ جب بھی آگے چل کر ماہیے میں دلچسپی کی کوئی نئی لہر آئی تو نئے تخلیق کاروں کو اس کے جملہ مباحث کے سلسلہ میں کوئی ابہام محسوس نہیں ہوگا اور وہ اپنے تخلیقی کھلے پن کے ساتھ اپنا اظہار کر پائیں گے۔

حیدر قریشی

مضمون خاور اعجاز کے ماہیے سے اقتباس

اردو ماہیا

(ماہیے کی کتابوں کیلئے لکھے گئے
پیش لفظ،مضامین اورتاثرات)

حیدرقریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن۔۲۰۱۴ء

مضامین کا یہ مجموعہ الگ سے شائع نہیں کیا گیا تھا۔پانچ کتابوں کے مجموعہ ’’اردو ماہیا تحقیق وتنقید‘‘ میں یہ شامل تھا۔اب پہلی بار اس کا انٹرنیٹ ایڈیشن الگ سے شائع کیا جارہاہے۔

تھے دیس میں پردیسی
آ کے ولایت میں
اب ہوگئے ہیں دیسی

انتساب

عارف فرہاد، ڈاکٹر محمد وسیم انجم،
اور اختر رضا سلیمی کے نام

تھے اپنی ہی لہروں میں
عمر گزاری جو
پنجاب کے شہروں میں

ترتیب

اردو ماہیا

(پیش لفظ،تاثرات)

1	پانی کی کہانی (امین خیال)	6
2	خاور اعجاز کی ماہیا نگاری	11
3	یادوں کی بارش (ناصر نظامی)	18
4	اعزاز احمد آذر کے ماہیے	26
5	وہ چاند گواہ میرا (کلیم شہزاد)	32
6	افضل چوہان کی ماہیا نگاری	41
7	سوچ سمندر (بخش لائلپوری)	44
8	محمد وسیم عالم کے ماہیے	53
9	چھیاں چھیاں (فراغ روہوی)	58
10	موسم سبھی اک جیسے (عاصی کاشمیری)	62
11	پیپل کی چھاؤں میں (ڈاکٹر رضیہ اسماعیل)	69
12	امین بابر کے ''سپنوں کا میلہ''	75
13	جیم ۔ فے غوری کے ماہیے	79
14	ضمیر اظہر کی ''پھول کہانی''	83
15	روحیں چناب کی (نسرین نقاش)	85

پانی کی کہانی

''یادوں کے سفینے'' امین خیال کے ماہیوں کا پہلا مجموعہ تھا۔ایسا مجموعہ جس میں پنجابی روایت کے گہرے اثرات اردو ماہیے میں منتقل ہوئے۔اب اسی تسلسل میں امین خیال کے ماہیوں کا دوسرا مجموعہ شائع ہونے جا رہا ہے۔بظاہر ایسا لگتا ہے کہ امین خیال کے ماہیا نگاری کے سفر میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی۔اس مجموعہ میں بھی وہی اسلوب ہے، وہی انداز ہے، وہی ملی جلی اردو، پنجابی لفظیات ہے۔لیکن میرا خیال ہے کہ امین خیال کے ماہیوں میں ایک غیر محسوس اور آہستہ رو ارتقائی تبدیلی موجود ہے۔اس تبدیلی کو لفظوں پر گرفت کے حوالے سے نسبتاً آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلا مجموعہ ''یادوں کے سفینے'' تھا ایسے لگتا ہے کہ ان سفینوں پر ایک عرصہ تک سفر کرنے کے بعد انہوں نے اپنے اندر اور باہر کے پانی کو دیکھا۔پانی کی کہانی کو سنا اور پھر اس کہانی کو اپنے سفر کے حاصل کے طور پر بیان کر دیا۔گویا پانی کی کہانی، یادوں کے سفینوں پر کیے گئے اسفار کا حاصل ہے۔تو کتاب کا نام ہی ایک پیش رفت کا احساس دلاتا ہے۔

پانی کی کہانی میں ایک دو جگہ ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی ٹیچر کی طرح سمجھانے لگے ہیں۔لیکن پھر اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی بات کی بنیاد استوار کرنے کے لیے ایسے ماہیے کہے ہیں۔

پانی کی کہانی ہے
خشکی اک حصہ
تِن حصے پانی ہے

پانی اک نعمت ہے
جتنا زیادہ ہے
اتنی ہی ضرورت ہے

مٹی تو نمانی ہے
آپ ہی آگ، ہوا
اور آپ ہی پانی ہے

سوامین خیال اپنے ٹیچر ہونے کے زمانہ میں بچوں کو پڑھانے کی طرح نہ تو کوئی فارمولا بتانے لگے ہیں، نہ ہی پانی کو فلسفیانہ انداز سے دیکھ رہے ہیں۔ایسا کچھ نہیں ہے۔انہوں نے نہ کوئی فلسفہ بگھارا ہے اور نہ ہی سائنس پڑھانے بیٹھے ہیں۔وہ تو بس ماہیے کی روانی میں، یادوں کی جوانی میں، ایک سفینے سے دوسرے سفینے تک جاتے آتے پانی کو دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، جتنا سمجھ میں آتا ہے سمجھتے ہیں اور پھر اپنی واردات کو سادگی سے بیان کر دیتے ہیں۔اسی لیے مذکورہ بالا تین ماہیوں میں سے تیسرے ماہیے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ پانی کی کہانی میں کئی اور کہانیاں سنانے جا رہے ہیں۔

پانی کی گاگر ہے
میں اک قطرہ ہوں
تو پیار کا ساگر ہے

کیا درد کا لہرا ہے
سات سمندر سے
بڑھ کر دل گہرا ہے

دل بحر کو چھل دی ہے
یار نے تو دل کی
دنیا ہی بدل دی ہے

شروع میں دیئے گئے تین ماہیوں میں سے ''مٹی نمانی'' والے ماہیے سے ہمہ اوست والا معروف صوفیانہ تصور ابھرتا ہے جو ان تین ماہیوں (پانی کی گاگر، درد کا لہرا اور دل بحر) کے ذریعے واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔پہلے تو سب کچھ وہ ''آپ'' ہے۔۔۔۔پھر ''وہ'' ساگر ہے اور ''میں'' ایک قطرہ ہے۔اس ''میں'' کو جب درد کی دولت ملتی ہے تو سات سمندروں سے بھی بڑھ کر گہرا ہو جاتا ہے۔قطرے کی سمندر میں تبدیلی اُس یار کی طرف سے ہے جس نے اپنی ایک لہر کے ذریعے اسے کیا سے کیا کر دیا۔اس سب کچھ کے باوجود بات تصوف کی دنیا میں گم نہیں ہوتی۔صوفیانہ رمزوں سے گزرتے ہوئے، امین خیال زندگی کے لیے بہتے ہوئے پانی کے معروف تصور کو بیان کرتے ہوئے، اسے عمر کے مختلف حصوں میں دیکھتے ہیں۔عمرِ گزشتہ کے لیے یادوں کے سفینے میں بیٹھتے ہیں، بچپن تک واپس جاتے ہیں تو بچپن کی مناسبت سے پانی کو نہر کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

بچپن ہے، جوانی ہے
زندگی تو جیسے
بہتا ہوا پانی ہے

بیٹھا ہوں سفینے میں
یاد تری آئی
چیتر کے مہینے میں

یادوں کے سہارے پر
بچپن بھول آیا
میں نہر کنارے پر

پھر جب وہ اپنی عمرِ گزشتہ سے، موجودہ عمر کو دیکھتے ہیں تو انہیں لگتا ہے کہ پانی کا بہاؤ اس کے زندگی بخش شور میں بچپن، لڑکپن، جوانی ہر اک کو بہائے لیے چلے جا رہا ہے۔

ہر شے کو بہاتا ہے
شور مچاتا ہے
اور بہتا جاتا ہے

پانی کی روانی ہے
جو چاہو کر لو
زوروں پہ جوانی ہے

اپنی گزرتی عمر کے ساتھ انہیں زمانے کے بدلنے کا ادراک ہوتا ہے۔انہیں لگتا ہے کہ دنیا سے رشتوں کی اہمیت کا احساس ختم ہوتا جا رہا ہے۔یوں پانی کے ذریعے وہ دنیا کے منفی رویوں کی نشاندہی کرتے جاتے ہیں۔

حق، سچ کی کہانی ہے
جھوٹ وسیلہ تو
ٹھہرا ہوا پانی ہے

تالاب کا پانی ہے
آج انسانوں کے
خوں کی ارزانی ہیں

یہ پانی کھاری ہیں
اب تو سب رشتے
احساس سے عاری ہیں

ٹھہرے ہوئے پانی جیسی کیفیت کو بیان کر کے امین خیال اس المیہ کا دکھ اپنے سینے میں بلونے لگتے ہیں۔

دردوں کا ذخیرہ ہے
دکھ کے سمندر میں
اک یاد جزیرہ ہے

دریاؤں میں پانی ہے
دکھ کی جہاں بھر میں
بس ایک کہانی ہے

اس پانی گدلے کا
تم ہی کہو لوگو
کب موسم بدلے گا

چھانے ہیں پانی کو
سنتا نہیں کوئی
مری دردکہانی کو

دے پانی باغوں کو
چہروں سے دھودے
موسم کے داغوں کو

پانی کی لو بوندیں
عیبوں کو دھودیں
اشکوں کی دو بوندیں

مایوس کن حالات میں بھی امین خیال نے امید کا دامن نہیں چھوڑا۔انہیں امید ہے کہ جب ہم لوگ اپنی غلطیوں کا ادراک کر کے ان پر ندامت محسوس کرنے لگیں گے، ہمارے گناہ اور عیب معاف ہو جائیں گےاور بگڑا ہوا معاشرہ پھر سے اچھا معاشرہ بن جائے گا۔

امین خیال کے ماہیوں کے مجموعہ ''پانی کی کہانی'' کے نام کے حوالے سے بات کافی طویل ہوگئی ہے۔ان ماہیوں میں تو پانی کی کہانی براہِ راست آئی ہے۔امین خیال کے دوسرے ماہیے جن میں پانی کا براہِ راست کوئی ذکر نہیں ہے وہ بھی دراصل اس رواں دواں زندگی کے پانی ہی کی مختلف کیفیات ہیں۔امین خیال کی ماہیا نگاری پر باتیں ختم نہیں ہوئیں۔ان کے اس مجموعے کے چند منتخب لیکن ملے جلے ماہیے دیکھیے اور امین خیال کے ماہیوں کے عمومی انداز کا اندازہ کیجیے۔

دکھ کس نے نہیں پالے
تم ہی نہیں بے کل
ہیں اور بھی دل والے

کیا قسمت پائی ہے
درد کی نگری میں
اک عمر بِتائی ہے

شبنم کیوں روتی ہے
پھول کی پینٹنگ میں
خوشبو کب ہوتی ہے

باغوں میں ہوا ماہیا
پھول تو کھل گئے ہیں
اب تو بھی آ ماہیا

کھل جائیں گلاب ایسے
بڑھ کر دل اپنے
ہو جائیں چناب ایسے

اب ڈال نہ چھن ماہیا
مل لے آج گلے
ہے عید کا دن ماہیا

پڑھ اللہ ہو سائیں
لا، سے نہیں ہوں میں
ہے تُو ہی تُو سائیں

ظلمت کی بلا ٹالی
کملی والےؐ نے
دنیا ہی بدل ڈالی

جُز فرقت سہتا ہے
گُل سے ملنے کو
بے چین سا رہتا ہے

پاکستان کی سیاسی صورتحال پر اور اہلِ سیاست پر امین خیال کے بے لاگ ماہیے ہر دُکھی پاکستانی کے دل کی آواز ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔کہیں کہیں مجھے پرانے ماہیے بھی اس مجموعہ میں شامل دکھائی دیئے ہیں۔امین خیال نے پنجابی الفاظ اور تلفظ کو پہلے کی طرح بے تکلفی کے ساتھ اردو میں پیش کیا ہے۔اس تجربے کو آزمانے کا خطرہ مول لینے والوں میں، اور یہ خطرناک اجتہاد کر گزرنے والوں میں امین خیال اہم ماہیا نگار ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ''پانی کی کہانی'' کو ان کے پہلے مجموعہ سے زیادہ پسند کیا جائے گا۔میں تہہ دل سے ''پانی کی کہانی'' کا استقبال کرتا ہوں!

(امین خیال کے ماہیوں کے دوسرے مجموعہ ''پانی کی کہانی'' کا پیش لفظ)

خاور اعجاز کے ماہیے

اردو ماہیے کے مباحث میں اس کے اوزان سے لے کر اس کے مزاج تک کئی امور زیرِ بحث آئے۔ان مباحث کا سیلابی دور گزر چکا ہے۔مجموعی طور پر تین سو سے زیادہ شعراء نے اپنی تخلیقی حیثیت کو اس صنف میں آزمایا۔ان میں کئی بھرتی کے لکھنے والے تھے تو کئی تخلیقی لحاظ سے زرخیز ذہن بھی شامل تھے۔ایک وقت تک تو تعداد میں اضافہ کا مزہ آتا رہا لیکن ساتھ ہی ماہیے کے معیار کی فکر بھی دامنگیر رہی۔معیار کے مسئلہ پر مخالفین تو محض اعتراض کی خاطر طنز کرتے رہے لیکن ماہیے کے بہی خواہوں کی ایک بڑی تعداد خود بھی ماہیے کے مستقبل کے حوالے سے اس کے معیار کے سلسلہ میں فکر مند رہی۔پھر ایک مرحلہ آیا جب لگا کہ ماہیے کو ہمارے مخالفین نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا ہمارے اپنے ’’نادان دوستوں‘‘ نے نقصان پہنچا دیا ہے۔اس نقصان میں بیزار کر دینے کی حد تک تکرار جیسے انداز کے مضامین، بے وزن ماہیوں کے مجموعوں کی اشاعت سے لے کر ایسے مجموعوں پر دادو تحسین کی کتابوں کی اشاعت تک کے المیے شامل ہیں۔تاہم مجھے اتنا اطمینان رہا کہ علمی لحاظ سے ماہیے پر جتنا کام کر دیا گیا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ جب بھی آگے چل کر ماہیے میں دلچسپی کی کوئی نئی لہر آئی تو نئے تخلیق کاروں کو اس کے جملہ مباحث کے سلسلہ میں کوئی ابہام محسوس نہیں ہوگا اور وہ اپنے تخلیقی کھلے پن کے ساتھ اپنا اظہار کر پائیں گے۔

خاور اعجاز ماہیے کے ہمارے ابتدائی ساتھیوں میں سے ہیں۔براہِ راست کسی رابطہ کے بغیر ہم ماہیے کی تفہیم اور ترویج کے لیے کام کرتے رہے۔ایک دوسرے سے اختلاف بھی کرتے رہے اور ایک دوسرے کو تقویت بھی دیتے رہے۔خاور اعجاز غالباً پہلے ادیب تھے جنھوں نے ماہیے کے وزن کی بحث کی گرما گرمی میں وزن سے ہٹ کر اس کے مزاج کا سوال اُٹھایا تھا۔اب ایسے لمحے

میں جب میں سچ مچ بھرتی کے ماہیا نگاروں کی ماہیا نگاری سے تشویش میں مبتلا ہونے لگا تھا، گنتی کے چند اچھے ماہیا نگاروں کے نئے آنے والے مجموعوں کی خبر سننے میں آئی تو مجھے کچھ اطمینان سا ہوا۔اطمینان کی اسی لہر میں مجھے خاور اعجاز کی طرف سے ان کے ماہیوں کے مجموعہ کی متوقع اشاعت کی خوشکن خبر ملی ہے تو میرے اطمینان میں اضافہ ہوا ہے۔خاور اعجاز کے ماہیے ایسے ہیں کہ انہیں ماہیا کے معیار کے حوالے سے بطور ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔سو اس لحاظ سے ان کے ماہیوں کے مجموعے کی اشاعت کی خبر اردو ماہیا کے لیے ایک اچھی خبر ہے۔

خاور اعجاز نے ابتدا میں اس انداز کے ماہیے کہہ کر ماہیے کے مزاج کے حوالے سے اپنے موقف کو عملی طور پر ظاہر کیا تھا۔

موسم کی سحر خیزی
کب میرا رہتا
اس کو تھی بہت تیزی

ہر بات بنالے گا
اس کا زمانہ ہے
جو رنگ جما لے گا

برفی میں پستہ ہے
بخش خطا میری
جو نادانستہ ہے

شہروں کی کہانی ہے
لڑکا پنڈی کا
لڑکی ملتانی ہے

یہ آخری ماہیا درج کرتے ہوئے میں خاور اعجاز کے وجدان پر مسکرا رہا ہوں، جب یہ ماہیا کہا گیا تھا تب وہ راولپنڈی میں پوری طرح سیٹ تھے۔اور کئی برس کے بعد اب یہ ماہیا تب سامنے آیا ہے جب خاور اعجاز راولپنڈی سے ملتان جا چکے ہیں۔شہروں کی کہانی واقعی دلچسپ ہے۔اس کہانی کے ذکر سے قطع نظر خاور اعجاز کے شعری لب ولہجہ میں جو دھیما پن اور توازن ہے وہ ان کے ماہیوں میں بھی صاف جھلکتا ہے۔

اک حد پر رہنا ہے
لیکن دریا میں
مِل کر ہی بہنا ہے

چائے ہے پیالی میں
ہو گئے قیدی ہم
آزاد خیالی میں

تصویر تپائی پر
کچھ پڑھ کر پھونکو
گھر کی تنہائی پر

پھر چاہے مَر جائیں
ہم سچ کہنے کا
آغاز تو کر جائیں

کچھ دُور ہی چلنا تھا
اُس بے مہر نے پھر
رستہ تو بدلنا تھا

اندر ہی سسکنا ہے
لیکن کاغذ پر
کچھ بھی نہیں لکھنا ہے

ان ماہیوں میں پنجابی ماہیے والا مزاج بھی ہے اور اس سے آگے کی طرف پیشقدمی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ چونکہ خاور اعجاز ہائیکو بھی کہتے رہے ہیں اس لیے ان کے ایک دو ماہیوں کے مصرعوں کی ترتیب میں مجھے ایسا لگا کہ یہاں ہائیکو نگار اپنا کام کر گیا ہے۔

کٹیا میں فقیروں کی
آ گئی شہزادی
ہے بات لکیروں کی

مضمون کو بیان کرنے کا یہ انداز ہائیکو کا ہے۔ اگر اس ترتیب کی بجائے تیسرا مصرعہ پہلے اور پہلا مصرعہ تیسرے نمبر پر لے آئیں تو ماہیا، ہائیکو کے اثر سے بالکل الگ ہو جاتا ہے بلکہ اس ماہیے کی شان ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ پہلی ترتیب میں بات تھوڑے توقف کے بعد دل تک پہنچتی ہے جبکہ اس ترتیب سے جیسے ماہیا سیدھا دل میں اتر جاتا ہے۔

ہے بات لکیروں کی
آ گئی شہزادی
کٹیا میں فقیروں کی

اس قسم کی اکا دکا مثالوں سے قطع نظر اور ایسے ماہیوں کی ترتیب میں ہلکی سی کمی کے باوجود یقینی طور پر یہ عمدہ ماہیے ہیں۔

خاور اعجاز کے ماہیوں میں ایسے ماہیے بھی ملتے ہیں جن کے تینوں مصرعے ایک مفہوم میں پروئے ہوئے ہیں، ایسے ماہیے بھی ملتے ہیں جن میں پنجابی ماہیے کی عام روایت کے مطابق پہلا مصرعہ برائے بیت ہوتا ہے۔ تاہم برائے بیت والے ماہیوں میں ان کا ماہیا پنجابی ماہیے کے مزاج کو پوری طرح اجاگر کرتا ہے۔

پیڑا ہے آٹے کا
ظالم سے یاری
سودا ہے گھاٹے کا

اس ماہیے میں بھی پنجابی زبان کا تڑکا لگا ہوا ہے، لیکن جہاں انہوں نے تینوں مصرعوں کو بامعنی کر کے ان میں کہیں کہیں پنجابی کا تڑکا لگایا ہے وہاں ان کے ماہیوں میں انوکھی چمک پیدا ہو گئی ہے۔

وعدے نہ دلاسے پر
ہم مَر مِٹتے ہیں
سجنی ترے ہاسے پر

شِیرا ہے جلیبی کا
کوئی بھروسہ نہیں
اس جیسے فریبی کا

گاؤں میں اٹکے ہیں
لیکن کچھ شہری
ہم سے بھی جٹکے ہیں

ہر سمت دھماکے ہیں
کچھ دنیا اتھری
کچھ لوگ لڑاکے ہیں

دل ڈوبا جاتا ہے
ڈھولا تیرے بِن
پہلا جگراتا ہے

ترے گال پہ تل ماہیا
رکھے پھرتے ہیں
ہم ہاتھ پہ دل ماہیا

خاور اعجاز کے ماہیوں میں جا بجا خوابوں کا ذکر ملتا ہے۔ یوں تو شاعری کا ایک بڑا حصہ خواب گری اور خواب شکنی پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ پھر پنجابی میں ''خوابے وچ آیا کرو'' اور ''خوابے

وچ آندے او' جیسے مصرعوں سے آرزوؤں کے کتنے ہی خواب بسے ہوئے ہیں۔ خاور اعجاز نے اس روایت کو اپنے ذاتی اور شعری تجربوں سے آگے بڑھایا ہے۔ ان کے ہاں خواب کی لفظی صورت سے ان کے خوابوں کی نوعیت کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آنکھیں سرہانے پر　　ہم خواب اگر ہوتے
کھولیں گے اِن کو　　تیری پلکوں کے
لیکن ترے آنے پر　　سائے میں پڑے ہوتے

مہتاب نکل آیا　　تعبیر کے رستے پر
رات کے ملنے سے　　پتھر آن گرا
مِرا خواب نکل آیا　　خوابوں کے بستے پر

پھر چاہے سو جائیں　　بے تاب نہیں ہوتے
تیری آنکھوں میں　　بچپن سے آگے
کچھ خواب پرو جائیں　　پھر خواب نہیں ہوتے

چلنے میں گھاٹا ہے
خوابوں سے آگے
بالکل سناٹا ہے

یہاں خواب اور نیند کے تعلق سے سکون بخش امید اور آس بھی ملتی ہے، جو زندہ رہنے کا جواز فراہم کرتی ہے۔ پھر خوابوں اور تعبیروں کی کشمکش، حقائق کی سنگ زنی کو آشکار کرتی ہے۔ لیکن حقائق کی سختی سے قطع نظر جب خوابوں کی ایک حد سے آگے بالکل سناٹے کا ادراک ہوتا ہے تب ہی جیسے سارے خواب بچپن کے خواب معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اس کے باوجود خوابوں کی دنیا میں جتنا عرصہ بھی رہا جائے کچھ نہ کچھ سکون نصیب ہوتا رہتا ہے اور کون جانے کب کسی اچھے خواب کی

تعبیر آ ہی جائے۔

مرد، عورت کے تعلق کے حوالے سے پنجابی ماہیے میں رمزیہ انداز سے بھی بہت کچھ کہا گیا ہے اور کھل کر بھی کئی ماہیے کہے گئے ہیں۔ اردو ماہیے میں کئی ماہیا نگاروں نے اس روایت کو اپنے اپنے ڈھب سے آگے بڑھایا ہے۔ خاور اعجاز کے ہاں پوری احتیاط کے ساتھ اس بے احتیاطی کا ذکر اور اس کی لذت کا احساس ملتا ہے۔ پہلے انہیں اس لغزش کا امکان بے حد روشن دکھائی دینے لگتا ہے۔

وہ حد بھی آنی ہے
جس پر اک لغزش
بے حد امکانی ہے

اور پھر کشتی کے روشن استعارے کو استعمال کرتے ہوئے وہ اپنے جنسی تجربے کو جیسے اس کے پورے بہاؤ میں بیان کر دیتے ہیں۔

کشتی کے چاؤ میں
بہہ نکلے ہم بھی
دریا کے بہاؤ میں

اور اس کے بعد شاعر کی وہی معمول کی زندگی ہے اور وہی دکھ اور سکھ ہیں۔

غم کا انبار لگا　　شاہوں نہ غریبوں سے　　سونا چاندی گھر میں
خُوشیوں کا میلہ　　سکھ والا لمحہ　　جذبے رکھے ہیں
بس دن دوچار لگا　　ملتا ہے نصیبوں سے　　سجنی نے لاکر میں

ابھی تک میں نے خاور اعجاز کے جتنے ماہیے جن حوالوں سے بھی پیش کیے ہیں، وہ سب کے سب کسی نہ کسی رنگ میں ماہیے کی پنجابی روایت سے منسلک اور اسی روایت میں مزید آگے کی طرف جانے کا منظر دکھاتے ہیں۔ تاہم ان کے ہاں شعوری اور لاشعوری طور پر پنجابی روایت سے منسلک رہنے کے باوجود ماہیے کا ایسا انداز تدریجاً نمایاں ہو رہا ہے جس کے بارے میں کہا جا سکتا

ہے کہ ماہیے کے مستقبل کے امکانات لیے ہوئے ہے۔ان ماہیوں کے بارے میں کسی نوعیت کا وضاحتی یا تشریحی نوٹ دینا مناسب نہیں لیکن مجھے لگتا ہے اردو ماہیا کا یہ انداز اپنے بہت سارے ممکنات اپنے ساتھ لا رہا ہے۔

دل کے دروازے سے   وعدے پیمانوں کی   بجھ جائے گی پیاس آؤ
اُس نے جھانکا ہے   کھل گئی رستے میں   صحرا کہتا ہے
کتنے اندازے سے   گٹھڑی امکانوں کی   اک دن مرے پاس آؤ

منظر ڈھہ جاتا ہے   رستے ہیں خلاؤں میں
لیکن ایک دیا   مٹی ہے سر
جلتا رہ جاتا ہے   اور پاؤں خلاؤں میں

دریا کے نیچے سے   اک شکل دکھاتا ہے
صحرا نکلا ہے   پھر آئینے میں
پانی کے دریچے سے   بس دُکھ رہ جاتا ہے

خاور اعجاز کے ماہیوں کا مجموعہ چھپنے کی خبر میرے لیے ایک اہم ادبی خبر ہے۔ماہیے کے معیار کے سلسلے میں جو تشویش مجھے دل ہی دل میں لاحق تھی وہ نہ صرف کم ہونے لگی ہے بلکہ امید ہے کہ ان جیسے دوسرے اچھے ماہیا نگاروں کے ماہیوں کے مجموعے بھی جلد شائع ہو کر اردو ماہیے کی عزت میں مزید اضافہ اور وقار کا موجب بنیں گے اور ماہیے کے ''نادان دوستوں'' کی نادانیوں کی تلافی کر سکیں گے۔اسی احساس میں گھرا ہوا، میں خاور اعجاز کے ماہیوں کے مجموعہ کا ذہنی سکون اور دلی مسرت کے ساتھ استقبال کرتا ہوں!

(خاور اعجاز کے ماہیوں کے مجموعہ ''ساجن'' کا پیش لفظ)

یادوں کی بارش

چند مہینے پہلے کی بات ہے۔ایک صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ ہالینڈ سے ایک دوست آئے ہوئے ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔اگر آپ فرینکفرٹ آ سکیں تو ہم ایک گھنٹے تک فرینکفرٹ کے مین ریلوے اسٹیشن پر پہنچ رہے ہیں۔رات کے آٹھ بج رہے تھے۔یورپ کی کڑکڑاتی سردی تھی۔لیکن میں نے کہہ دیا کہ شاید آدھ گھنٹہ آپ لوگوں سے لیٹ پہنچوں لیکن میں آ رہا ہوں۔ رات ساڑھے نو بجے اس دوست سے ملاقات ہوئی۔میں نے اپنی دستیاب کتب میں ''محبت کے پھول'' اور ''اردو میں ماہیا نگاری'' تحفۃً پیش کیں۔اس دوست کو تو ان کتابوں سے کچھ ایسی دلچسپی نہیں تھی لیکن ان کتابوں کو درست کے ہاتھوں تک پہنچنا تھا، سو پہنچیں۔۔۔۔۔

اس دوست کے ذریعے میری یہ کتابیں ہالینڈ میں ناصر نظامی کی نظر سے گزریں تو انہوں نے فوری طور پر مجھ سے رابطہ کیا۔ٹیلی فون پر رسمی باتوں کے بعد پتہ چلا کہ وہ شاعری کے گائیگی والے پہلو پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ان کی شاعری متعدد گلوکار گا چکے ہیں۔ان گلوکاروں میں ابھرتے ہوئے گلوکار بھی شامل ہیں اور نصرت فتح علی خان اور مہدی حسن جیسے عہد ساز گائیک بھی شامل ہیں۔ناصر نظامی خود موسیقی کی تھوڑی بہت تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔فیصل آباد میں نصرت فتح علی خان کے ماموں پیارے علی خان کا میوزک سکول ہوا کرتا تھا۔غالباً ۱۹۶۸ء میں ناصر نظامی نے ان سے موسیقی کی ابتدائی تعلیم لی۔انہیں ستار کا شوق تھا لیکن ان کے استاد نے انہیں آسان ساز بینجو کی طرف متوجہ کیا۔سو تب سے لگ بھگ تیس برسوں سے ناصر نظامی اپنے ذاتی شوق کے طور پر بینجو بجا رہے ہیں اور ماہیے کی دھن پر بھی بینجو میں مہارت حاصل کر چکے ہیں۔

ہم اس کے خوگر ہیں
گیتوں کی بندش
کے ۔گُن کے خوگر ہیں

دھن کاری کرتے ہیں
سُر کی لہروں میں
لفظوں کو بھرتے ہیں

ہم لکھتے لکھاتے ہیں
گاہے گاہے مگر
ہم خود بھی گاتے ہیں

موسیقی سے مَس ہے
اپنی صدا میں بھی
تھوڑا سا تو رَس ہے

ناصر نظامی کی ذاتی کہانی کے یہ ماہیے تو بعد کی بات ہیں ۔۔۔ جب مجھے ناصر نظامی کے اِن گُنوں کا علم ہوا۔ساتھ ہی انہوں نے میری مذکورہ بالا دونوں کتابوں پر اپنی پسندیدگی کا بہت زیادہ اظہار کیا تو میں نے دبے دبے لفظوں میں کہا کہ پھر آپ بھی ماہیے کہیئے ناں! آپ تو ماہیے کی لے کو مجھ سے کہیں زیادہ بہتر جانتے ہیں۔۔۔۔

ماہیے کہنے کی تحریک کرنے پر پتہ چلا کہ میری کتابوں کے مطالعہ کے بعد وہ ازخود اس طرف مائل ہو چکے ہیں اور ۲۰۰ کے لگ بھگ ماہیے کہہ چکے ہیں ۔اس انکشاف نے مجھے مسرت آمیز حیرت سے دوچار کردیا۔ پھر چند ہفتوں کے اندر ہی اندر انہوں نے ماہیوں کے انبار لگا دیئے تو اس کے اندر کے پُر گو شاعر کا کچھ کچھ اندازہ ہوا۔ جو لوگ کم لکھتے ہیں وہ عموماً پُر گو شاعروں کے معیار پر طنز کیا کرتے ہیں۔ بات جزوی طور پر درست بھی ہوسکتی ہے لیکن اس کے کچھ اور پہلو بھی ہیں جن پر غور کیا جانا چاہئے ۔مثلاً ایک اچھا ادیب بہت زیادہ لکھتا ہے تو اس میں بھی اس کا ایک کم ازکم معیار بہرحال قائم رہتا ہے۔ اس کے برعکس کم لکھنے والا غیر معیاری ادیب کم لکھ کر بھی غیر معیاری ہی رہے گا۔ اگر کوئی کم لکھنے والا ادیب سال بھر میں دو تین اچھے فن پارے پیش کرتا ہے اور زود گو ادیب دس فن پارے پیش کرتا ہے جن میں سے پانچ بے حد عمدہ ہوتے ہیں تو وہ یقیناً کم لکھنے والے اچھے ادیب سے کوالٹی کے لحاظ سے بھی آگے ہے اور تعداد کے لحاظ سے بھی آگے ہے ۔ ناصر نظامی کے ماہیے پڑھتے ہوئے ان کی پر گوئی کے اثرات تو محسوس ہوتے ہیں لیکن وہ اپنا ایک

کم ازکم معیار بہرحال برقرار رکھتے ہیں۔ جہاں وہ اپنے کم ازکم معیار سے اوپر اٹھتے ہیں وہاں تو ان کے ماہیوں کی آن بان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ بے شک ان کے ہاں متعلقہ موضوع کے روایتی مضامین بھی کثرت سے آتے ہیں لیکن جہاں کہیں وہ اپنے عمومی معیار سے اوپر اٹھتے ہیں وہیں ان کے ماہیے کا نفس مضمون چمکنے لگتا ہے۔مثال کے طور پر عارفانہ ماہیوں کی یہ جھلکیاں دیکھیں۔

خود کرتا دھرتا ہے
سامنے دنیا کے
کسی اور کو کرتا ہے

آدم کا بہانہ تھا
اپنی محبت کا
اظہار جتانا تھا

☆ ☆

آدم کی خطا کیا تھی
سامنے کیوں رکی
جو چیز روا، ناں تھی

کبھی ہم بھی تھے عرشوں پر
ایک ہی غلطی سے
آ پہنچے ہیں فرشوں پر

☆ ☆

ہے جس کی نظر جتنی
اس کو نظر آئے
بس اس کی جھلک اتنی

ہر دم میں ہُو ہُو ہُو
میں جب ہوں ہی نہیں
کیسے کہوں تُو تُو تُو

گناہ اور ثواب، شر اور خیر کے گیان کا یہ مرحلہ دیکھیں

یہ شر اور خیر ہے کیا
آخر دونوں کا
آپس میں بَیر ہے کیا

اک دوجے کی قوت ہیں
سادہ لفظوں میں
منفی اور مثبت ہیں

رشتوں ناطوں کے بیان میں ناصر نظامی بے حد جذباتی ہوجاتے ہیں۔ والدہ، والد، دادا، نانا، بہنوں، کزنز، دونوں بیویوں، بیٹوں، بیٹیوں اور متعدد دیگر عزیز و اقارب ہی کو نہیں، اپنے دوست

احباب کو بھی جذباتی ہو کر یاد کرتے ہیں اور ان پر اپنے خلوص کو نچھاور کرتے ہیں۔ ایسے ڈھیر سارے ماہیوں میں سے گنتی کے یہ چند ماہیے دیکھیں۔

تری ممتا روٹھ گئی
جنت کی کنجی
ہاتھوں سے چھوٹ گئی

حالات نے مار دیا
ہم کو غریبی کی
بہتات نے مار دیا

☆

تقدیر کی کٹھنائی
میں نے بھائی کی
دولت ہی نہیں پائی

گھر واپس مڑنے میں
دیر تو لگتی ہے
دل ٹوٹ کے جڑنے میں

ایسے ماہیوں سے ہٹ کر ناصر نظامی نے جو کمال دکھایا ہے وہ بیشتر ماہیا نگاروں اور بعض دوسرے شعراء کے بارے میں ان کے خاکہ نما ماہیے ہیں۔ ایسے ماہیے نذیر فتح پوری اور امین خیال پہلے سے کہہ چکے ہیں۔ بعض دیگر ماہیا نگاروں نے بھی خاکہ نما ماہیے کہے ہیں لیکن ناصر نظامی نے اتنی کثیر تعداد میں شخصی ماہیے کہے ہیں کہ اگر صرف انہی ماہیوں کو الگ سے چھپوایا جاتا تو ایک چھوٹی سی کتاب بن جاتی اور شخصی ماہیوں میں بعض ماہیا نگاروں کے بارے میں سچ مچ دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ تین مصرعوں میں متعلقہ شخصیت کے نمایاں ترین اوصاف کو بیان کر دیا گیا ہے۔

ارض وطن سے ناصر نظامی کو محبت ہے لیکن وہاں نافذ ظلم اور جبر کے نظام پر انہیں سخت دکھ ہے۔ اس ایک ماہیے میں اس نظام کی اصلیت اور وطن عزیز میں جاری اقتدار کی میوزیکل چیئر گیم کی حقیقت بڑی حد تک سامنے آ جاتی ہے۔

ان قرضہ خوروں کو
چور بھلا کیسے
پکڑے گا چوروں کو

ادیبوں کی ''انجمن ستائش باہمی'' کے حوالے سے انہوں نے جو ماہیے کہے ہیں ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان میں ادبی برادری کے بعض ''۔۔۔ چہرے'' اپنے آپ کو اور اپنے اصل ادبی قد کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

انصاف شعار ہو!
اپنی دلیلوں پر
وہ خود ہی نثار ہو!

کوئی جب نہ جواب آیا
میرے خلاف کئی
فتوے وہ لکھا لایا

ناصر نظامی کے ماہیوں میں اپنے اندر کی غواصی کے صوفیانہ قسم کے تجربے بھی ملتے ہیں۔ ایسے ماہیوں میں ان کا لب ولہجہ باطن سے ہمکلامی کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے یا اپنی ہی عرفان کی منزلیں طے کرتا ہوا لگتا ہے۔

کبھی رنگ کبھی سنگ ہوا
اپنی طبیعت پر
پھر آپ ہی دنگ ہوا

پڑھ دل کی کتاب کبھی
اپنے عملوں کا
کر خود ہی حساب کبھی

اَن بوجھی کہانی ہے
دل کے سمندر کی
تہہ کس نے جانی ہے

اک گہرا سمندر ہے
میں دل کے اندر
دل میرے اندر ہے

محبوب کے وعدوں کا پورا نہ ہونا، پھر ان وعدوں کو چادر سے تشبیہہ دے کر، آنکھوں اور آنسوؤں کا ذکر کئے بغیر یادوں کی برسات سے پیار کے وعدوں کی چادر کو بھگو دینا۔ ناصر نظامی کے ہاں استعاراتی سطح پر آنے کی عمدہ کاوش ہے۔

بارش ہوئی یادوں کی
چادر بھیگ گئی
ترے پیار کے وعدوں کی

تاہم چونکہ ماہیا اپنے عمومی مزاج اور اجتماعی کردار کے باعث بہت زیادہ داخلی اور علامتی نہیں ہوسکتا اسی لئے ناصر نظامی زیادہ تر رمز و کنایہ سے کام لیتے ہیں۔

جنت کے درختوں کا
یاد کرو قصہ
گزرے ہوئے وقتوں کا

شہروں میں رہتے ہیں
اپنے لگائے ہوئے
پہروں میں رہتے ہیں

☆ ☆

کسی طور نہیں جھکتا
گھڑیاں رُک جائیں
پر وقت نہیں رُکتا

لی درد نے انگڑائی
دل کے گلے لگ کے
روتی رہی تنہائی

ناصر نظامی کے ماہیوں میں کہیں کہیں بعض معروف اشعار، بعض ماہیوں اور بعض گیتوں کی گونج بھی سنائی دیتی ہے۔اس کمزوری کو اس بنیاد پر برداشت کیا جاسکتا ہے کہ جن اشعار، ماہیوں یا فلمی گیتوں سے وہ متاثر ہیں وہ لاشعوری طور پر ان کے ماہیوں میں آتے گئے ہیں پھر چند ہفتوں، مہینوں کے اندر اتنے سارے ماہیے کہے جائیں گے تو ان میں ایسی تھوڑی بہت کمزوریاں تو کہیں نہ کہیں مل ہی جائیں گی۔تاہم یہ حقیقت ہے کہ ناصر نظامی کے یہ ماہیے اندر کی کسی لہر کے نتیجہ میں مسلسل ہوتے چلے گئے ہیں۔اس اظہار کے بعد انہیں جو آسودگی محسوس ہوئی ہوگی اس کا ایک ہلکا سا اندازہ ان ماہیوں سے لگایا جاسکتا ہے۔۔ایسے ماہیے ان کی ماہیا نگاری کے انداز کی بھرپور ترجمانی بھی کرتے ہیں۔

ململ کا سوٹ لیا
پہلی نظر میں
تم نے مجھے لوٹ لیا

روحوں کا ملن ہوگا
من اور من کا وزن
بس ایک ہی من ہوگا

☆ ☆

پانی کی روانی کے
لے لو مزے دو دن
دو دن کی جوانی کے

دکھ ہم نے جھیلا ہے
خوشیوں سے لیکن
کوئی دوسرا کھیلا ہے

☆ ☆

غم کس لئے کرتا ہے
جتنا دامن ہو
اتنا ہی بھرتا ہے

شیشے کی عمارت ہے
چاہت تو یارو
زخموں کی تجارت ہے

☆ ☆

جب تُو مجھے تکتا ہے
بجلی کا دل کو
جھٹکا سا لگتا ہے

جنموں سے جیتے ہیں
دور تغیر کے
ہم پر کئی بیتے ہیں

☆ ☆

سرہانے سر رکھ کر
آدم حوا ہنسے
ممنوعہ شجر چکھ کر

ہم پیاس بجھا لیں گے
پیار کے ساون کی
بارش میں نہا لیں گے

☆ ☆

ہیں دودھ کی دو نہریں
جوبن پر آئیں
جوبن کی حسیں لہریں

قد سرو کا بوٹا ہے
اور اس قامت نے
مرے دل کو لوٹا ہے

ناصر نظامی نے اردو ماہیوں کے ساتھ تھوڑے سے پنجابی ماہیے بھی کہے ہیں۔اردو دنیا کے لئے ناصر نظامی کی پنجابی شاعری شاید ویسے زیادہ دلچسپی کا باعث نہ ہو لیکن یہ ایک اہم خبر ہے کہ ناصر نظامی ایک عرصہ سے پنجابی شاعری بھی کر رہے ہیں۔ان کی پنجابی شاعری پنجابی کے

متعدد رسائل اوراخبارات میں چھپتی رہتی ہے۔اس خبر کی اصل اہمیت یہ ہے کہ پنجابی شاعری کرنے والا ایک شاعر جو ماہیے کی پنجابی روایت،اس کے مزاج اوراس کی دُھن سے نہ صرف بخوبی واقف ہے بلکہ موسیقی کے علم کی سطح پر بھی ماہیے کو بہتر طور پر سمجھتا ہے۔اس نے اردو ماہیے کے اصل وزن، مزاج اور دیگر اوصاف کو تخلیقی سطح پر قائم رکھا ہے۔یوں ان کی ماہیا نگاری بہت سارے ناواقف اور نوآموز ماہیا نگاروں کی بہتر طور پر رہنمائی بھی کر سکتی ہے۔

ناصر نظامی کے ماہیوں کا مجموعہ ''یادوں کی بارش'' چھپنے جا رہا ہے تو میری دعا ہے کہ یہ مجموعہ اردو ماہیے کی تحریک کے لئے بارانِ رحمت ثابت ہو۔

(ناصر نظامی کے ماہیوں کے مجموعہ ''یادوں کی بارش'' میں شامل)

اعزاز احمد آذر کے ماہیے

اعزاز احمد آذر اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں کے معروف اور ممتاز شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔پنجابی لوک گیت ماہیا ان کے اندر رچا بسا ہوا ہے۔حالیہ چند برسوں میں پنجابی ماہیے کی لَے کی بنیاد پر اس کے خدوخال کو قائم رکھتے ہوئے اردو زبان میں ماہیے کو جو پذیرائی ملی ہے اعزاز احمد آذر اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے ہیں کیونکہ اردو اور ماہیا دونوں سے ہی ان کا گہرا رشتہ ہے۔پھر خوشی کی کسی لہر میں وہ خود بھی اردو ماہیے کہنے لگے اور اب یہ خوش کن خبر ملی ہے کہ ان کے ماہیوں کا مجموعہ زیر اشاعت ہے۔

میرے سامنے اعزاز احمد آذر کا مکمل مسودہ تو نہیں ہے تاہم ان کے جو چند ماہیے مجھے ملے ہیں اور جو چند ماہیے پاکستان اور انڈیا کے بعض ادبی رسائل کے ذریعے میرے پاس موجود ہیں انہیں پیش نظر رکھ کر ہی میں ان کے ماہیوں کے بارے میں اپنے تاثرات لکھ رہا ہوں۔ان ماہیوں کی پہلی خوبی اور شناخت پنجابی مزاج کی آمیزش ہے۔یہاں میں نے پنجابی الفاظ کی جگہ پنجابی مزاج لکھا ہے۔دراصل پنجابی الفاظ کا استعمال بعض اوقات غیر موزوں بھی ہو جاتا ہے جبکہ لفظ پنجابی کا آئے یا نہ آئے لیکن مزاج پنجابی آ جائے تو ایسے اردو ماہیوں میں انوکھی سی لذت پیدا ہو جاتی ہے۔

لگی بھیڑ ہے میلے میں
دفع کر بھابی کو
چلی آ تُو اکیلے میں

☆

آ پاس اے بے دردا
ہم ترے محرم ہیں
ہم سے تو نہ کر پردا

☆

سرزانو پہ دھرنے دے
دیکھ میرے بابو
مجھے چین سے مرنے دے

اک کرم کما ماہی
میں مرجاؤں گی
پردیس نہ جا ماہی

☆ ☆

سب ونجلی کا ہے میلہ
رانجھے سے پہلے بھی
موجود تو تھا بیلہ

کچھ تُو ہی بتا جوگی
شامِ جُدائی کی
کب صبحِ ملن ہوگی

یوں تو غزل اور نظم میں اعزاز احمد آذر کو اظہار کی یکساں قدرت حاصل ہے تاہم اُن کے اردو ماہیوں پر پنجابی اثرات کے بعد ان کی نظمیہ شاعری جیسا انداز مجھے محسوس ہوا ہے۔ جن قارئین نے اعزاز احمد آذر کی نظموں کو توجہ سے پڑھ رکھا ہے وہ اس انداز کے ماہیوں کو پڑھتے ہوئے شاید مجھ سے اتفاق کریں۔

ہم آپ کے اپنے ہیں
دِل میں سنبھال رکھو
یہ کانچ کے سپنے ہیں

رنگ شوق کی بھرتی ہے
رات کی تنہائی
ترے ساتھ گزرتی ہے

☆ ☆

دو پل کے لئے آجا
پیاس کا صحرا ہوں
ساون کی طرح چھا جا

یہ خواب ہمارے ہیں
رات کے دامن میں
کچھ پھول ہیں تارے ہیں

ہلکے سے نظمیہ اثرات نے ایسے ماہیوں میں جیسے ادبی شان پیدا کر دی ہے۔ ماہیے کی لوک روایت میں جنگل کی خود روئیدگی جیسی خوبصورتی ہے بلکہ ادبی روایت میں گلستان جیسا حسن ہے۔ باغ کو مسلسل تراش خراش کے عمل سے گزار کر اپنا حسن برقرار رکھنا ہوتا ہے جبکہ جنگل کسی میک اپ کے بغیر اپنی خوبصورتی ظاہر کرتا ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اعزاز احمد آذر کے ماہیوں

میں جنگل کی خوبصورتی بھی ہے کیونکہ ان کے بہت سارے ماہیوں میں ماہیے کا پنجابی مزاج موجود ہے اور جہاں اُن کی نظمیہ شاعری کے ہلکے سے اثرات کی آمیزش نے ان کے ماہیوں میں ادبی رنگ پیدا کر دیا ہے وہاں کسی باغ کے حسن کا احساس ہوتا ہے۔۔۔۔۔لیکن صرف جنگل اور باغ تک ہی نہیں۔۔۔۔اعزاز احمد آذر کی ماہیا نگاری اپنی دھرتی سے جڑ کر، دھرتی کے جملہ مظاہر کے ساتھ اپنی رونق لگائے ہوئے ہے۔

انمول گہر کہیے
میری دھرتی کو
فردوسِ نظر کہیے

کچھ موتی ہیں شبنم کے
جب جب تُو گزرے
چلے پُروا تھم تھم کے

☆ ☆

رُت کھلنا ہی بھولے گی
تم جو نہیں آئے
سرسوں بھی نہ پھولے گی

پھولوں پہ اُڑے تتلی
ختم کہاں ہوگی
اب بات ہے چل نکلی

اعزاز احمد آذر کے دو ماہیے مجھے ذاتی طور پر بہت ہی اچھے لگتے ہیں۔ یہ ماہیے اپنے موڈ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ لیکن ماہیے کے حسن اور رس کے لحاظ سے دونوں ہی بہت عمدہ ہیں۔

ہر پونی ہے مارگئی
عمر کا یہ چرخا
میں کت کت ہار گئی

اس میں بھی ہیں راز کئی
لڑکی وکیلوں کی
دے گئی تاریخ نئی

پہلے ماہیے میں ''زندگی'' دنیا کے دکھوں کو چرخہ کات کر پونیاں بنانے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتی ہے کہ میں اپنی (مقررہ) عمر کا چرخہ کاتتے کاتتے تھک ہار کر رہ گئی ہوں کیونکہ اس چرخے کی ہر پونی کو تیار کرنا ایک جان لیوا عمل ہے۔ اور میں مسلسل دکھوں کے، مشقت کے، اس عمل میں مبتلا ہوں۔۔۔۔

دوسرے ماہیے میں ماہیا نگار کی محبوبہ کسی وکیل کی بیٹی ہے جو اپنے شاعر کو ٹالنے کے لئے یا پھر کسی اور سبب سے ملنے کی نئی تاریخ دے گئی ہے۔ عدالتی پیشیوں میں ملنے والی تاریخیں ذہن میں ہوں تو اس سادہ سے ماہیے میں معانی کے کئی پرت نکل آتے ہیں۔ مثلاً عدالتی سسٹم کی طرح محبوبہ بھی تاریخ پر تاریخ۔۔۔پیشی پر پیشی ہی دیئے جا رہی ہے۔ یوں ایک طرف اپنے عدالتی نظام کی بعض خامیوں کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے اور محبوبہ کے غیر منصفانہ رویئے کو بھی ظاہر کر دیا ہے۔۔۔ایک مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ محبوبہ وکیل کی بیٹی ہے، باپ پر گئی ہے۔ سچی بات نہیں کرتی بس ٹالتی رہتی ہے۔۔۔چونکہ ''راز کئی'' ہیں لہٰذا یہ راز بھی تو ہو سکتا ہے کہ جو نئی تاریخ ملی ہے، اس میں محبوبہ کے گھر والے کہیں جا رہے ہوں اور اس نے اپنے شاعر سے وعدی ایفا کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔۔۔تاہم مذکورہ دونوں ماہیوں کا اصل لطف ان کی تشریح میں نہیں، انہیں پڑھنے میں ہے، گنگنانے میں ہے۔ یہاں اعزاز احمد آذر کے چند اور خوبصورت ماہیے بھی پیش کر دیتا ہوں۔

یہ رُت ہے گلابوں کی
چڑھے ہے سوالوں کی
اور ضد ہے جوابوں کی
☆

چوری کی ہے رُشنائی
چاند اکیلا ہے
یہ اُس نے سزا پائی
☆

جگ سے ٹکراتا ہے
حُسن بہانہ ہے
رنگ عشق جماتا ہے
☆

آنکھوں میں ہے نیر آ جا
خواب ترے دیکھوں
بن کے تعبیر آ جا
☆

ہاتھوں میں ہیں دو پکھیاں
ہم تو ہیں پردیسی
ہم سے نہ لگا اکھیاں
☆

آ لگ جا گلے میرے
بھول جا سب شکوے
ساہ روٹھ چلے میرے
☆

اس دُکھ کی دوا دے جا
جس کا موسم ہے
آنچل کی ہوا دے جا
☆

یہ رسم نبھائیں گے
تُو چاہے یاد نہ کر
ہم بھُول نہ پائیں گے
☆

رکھ دیپ یہاں لا کر
رہ میں اندھیرا ہے
آنکھوں کا اُجالا کر

اے یار دَیا کرنا
پیار کے پھولوں سے
اس جھولی کو تم بھرنا

جس طرح اُردو کے بعض اہل زبان ایک عرصہ کے بعد صرف ''اہل زبان'' ہونے پر ہی ناز کرنے لگے اور ان کے مقابلے میں پنجاب اور دوسرے علاقوں کے شاعر اور ادیب تخلیقی لحاظ سے کہیں آگے نکل گئے (مستثنیات دونوں طرف موجود ہیں)۔ ویسے ہی مجھے اب ماہیے کے حوالے سے تشویش ہونے لگی تھی۔ ماہیا اصلاً پنجاب کا لوک گیت ہے۔ اہل پنجاب سے بہتر اسے کون سمجھ سکتا ہے لیکن جب پنجاب کا یہ لوک گیت اردو میں ایک باقاعدہ شعری صنف بننے لگا تب بعض احباب اپنے پنجابی ''اہل زبان'' ہونے کے زعم میں مبتلا ہو گئے۔ اردو ماہیے کو ایک طرف ہزارہ، کشمیر، کراچی اور سرائیکی علاقوں میں مقبولیت حاصل ہو رہی تھی تو دوسری طرف انڈیا کے بہار، راجستھان، مہاراشٹر، یو پی، آندھرا پردیش (سابق ریاست حیدر آباد دکن) اور بنگال جیسے صوبوں میں ماہیے کو محبت کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔ پھر انگلینڈ، ہالینڈ، جرمنی، اٹلی، جاپان کے اردو شاعروں نے ماہیے کی طرف خصوصی توجہ کی۔ اس فضا میں مخالفین اور حاسدوں نے تو عناد اور حسد کا اظہار کرنا ہی تھا بعض اچھے بھلے پنجابی بھی ماہیے کے سلسلے میں کوئی اہم اور مثبت کام کرنے کی بجائے اپنے پنجابی ''اہل زبان'' ہونے کی خوش فہمی میں گھر کر رہ گئے۔ یوں مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ اردو ماہیا شاید دوسرے علاقوں میں استحکام حاصل کر لے گا اور خود پنجاب اپنے ہی گھر کی دولت گنوا بیٹھے گا۔ لیکن جہاں امین خیال جی نے ماہیے کے فروغ میں اپنا فعال تخلیقی کردار ادا کیا ہے اور راولپنڈی، جہلم، لاہور، بورے والا جیسے علاقوں سے متعدد نوجوان شعراء سامنے آئے ہیں

وہیں لاہور سے اعزاز احمد آذر کے ماہیوں کے مجموعہ کا شائع ہونا اس حقیقت کا اظہار ہے کہ وہ بحیثیت پنجابی شاعر بھی اور بحیثیت اردو شاعر بھی اپنے فرض سے غافل نہیں ہیں۔نہ وہ کسی زعم میں مبتلا ہیں نہ کسی خوش فہمی میں۔۔۔۔وہ تو بس ماہیے کے فروغ میں اپنا تخلیقی کردار ادا کر رہے ہیں اور اسی لگن میں مگن ہیں۔

اعزاز احمد آذر کے ماہیوں کا یہ خوبصورت مجموعہ نہ صرف ماہیے کی تحریک میں ایک قیمتی اضافہ ہے بلکہ اس کے ذریعے سے وہ تمام شعراء ماہیے کے پنجابی مزاج کو بخوبی سمجھ سکیں گے جو پنجابی زبان سے واقف نہیں ہیں اردو ماہیا نگاروں میں اعزاز احمد آذر صفِ اول کے ماہیا نگار ہیں۔مجھے امید ہے کہ ان کے مجموعہ کی اشاعت کے بعد اس تاثر کو تقویت ملے گی۔

میں ان کے مجموعہ ''کب صبح ملن ہوگی'' کا کھلے دل اور بازوؤں سے استقبال کرتا ہوں۔

(اعزاز احمد آذر کے ماہیوں کے مجموعہ ''کب صبح ملن ہوگی'' میں شامل)

وہ چاند گواہ میرا

۱۹۹۸ء کے آغاز میں مجھے کلیم شہزاد کا ایک خط ملا جس کے ساتھ ان کے ۲۰ ماہیے بھی منسلک تھے۔اپنے خط میں انہوں نے پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ کے ماہیا نمبر اور بالخصوص اس میں شامل میرے مضمون کے حوالے سے، ماہیے کے وزن کے سلسلے میں میرے موقف سے مکمل اتفاق کیا تھا اور اسے اصولی موقف قرار دیا تھا۔خط اتنی محبت سے لکھا گیا تھا کہ میں حیران رہ گیا۔ جہاں ایک طرف مجھ جیسے گناہگار پر مخالفوں، حاسدوں اور بدخواہوں کی یلغار ہے وہاں صرف چند دوستوں کا پیار ہے جو مجھے حوصلہ دیئے رکھتا ہے۔لیکن کلیم شہزاد سے نہ تو میرا پہلے سے کوئی رابطہ تھا نہ تعلق۔پھر میں نہ کسی ادبی ادارے کا سربراہ نہ کسی ادبی رسالے کا ایڈیٹر۔۔۔۔سو بورے والا کے رہنے والے کلیم شہزاد اگر ماہیے کے مسئلے پر غیر جانب داری سے غور کرتے ہیں اور پھر اس تخلیقی حوالے سے ہمارا محبت کا تعلق قائم ہوتا ہے تو یہ خدا کا فضل و کرم بھی ہے اور ماہیے کے مسئلے پر ہمارے مضبوط اور درست موقف کی سچائی بھی ہے۔کلیم شہزاد سے خط و کتابت ہوئی تو پتہ چلا کہ ''بھنگڑا'' کے ماہیا نمبر کے بعد سے اب تک وہ ۵۰۰ کے لگ بھگ اردو ماہیے کہہ چکے ہیں۔ گویا ابھی تک اردو ماہیے کے جتنے مجموعے چھپے ہیں تعداد کے لحاظ سے ان میں سے کسی بھی مجموعے سے ان کے ماہیے کہیں زیادہ ہیں اور اب انہوں نے اپنے ماہیوں کے مجموعہ ''وہ چاند گواہ میرا'' کا مسودہ مجھے بھیجا ہے تو ان کے ماہیوں کے کئی اور منفرد اوصاف بھی سامنے آئے ہیں۔

کلیم شہزاد نے ماہیے کے بنیادی وزن کو پوری طرح قائم رکھتے ہوئے اس کی ظاہری ہیئت میں دو طرح کے دلچسپ تجربے کئے ہیں۔ماہیا گائیکی میں دہرایا بھی جاتا ہے۔ابھی تک کے پنجابی اور اردو ماہیوں کی مثالوں سے دہرانے کی جو روایت ملتی ہے اس کے مطابق پہلے مصرعے کو

شروع میں دوبارہ گایا جاتا ہے اوراس کے بعد دوسرے اور تیسرے مصرعوں کوایک ساتھ دہرا کر گایا جاتا ہے۔دہرانے کی مثال ان دو ماہیوں کے مصرعوں کے نقشہ سے سمجھی جاسکتی ہے۔

پنجابی ماہیا	اردو ماہیا
چٹا ککڑ بنیرے تے	تم روٹھ کے مت جانا
چٹا ککڑ بنیرے تے	تم روٹھ کے مت جانا
کاسنی دپٹے والیے	مجھ سے کیا شکوہ
منڈا صدقے تیرے تے	دیوانہ ہے دیوانہ
کاسنی دپٹے والیے	مجھ سے کیا شکوہ
منڈا صدقے تیرے تے	دیوانہ ہے دیوانہ

یوں تین مصرعوں کا ماہیا گائیکی کے حساب سے دہراتے ہوئے چھ مصرعوں میں لکھا جاسکتا ہے مگر ظاہر ہے گائے جانے کی بات اور ہے، لکھے جانے میں ماہیا تین مصرعوں میں ہی مناسب لگتا ہے۔اب کلیم شہزاد نے ماہیے کی ظاہری ہیئت میں یہ انوکھا تجربہ کیا ہے کہ پہلے مصرعہ کو تیسرے مصرعے کے بعد پھر دہرادیا ہے۔بات صرف مصرعے کو دہرانے کی حد تک ہوتی تو اسے کلیم شہزاد کی منفرد دِکھنے کی کاوش سمجھا جاسکتا تھا لیکن معاملہ صرف اتنا نہیں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ کلیم شہزاد کے اس پہلے مصرعہ کا چوتھی لائن میں دہرایا جانا معنوی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے کسی داخلی حوالے تک بھی لے جاتا ہے۔ان کے یہ ماہیے دیکھیں اوران کے مصرعوں کے ربط باہم سے پیدا ہونے والے معنوی تسلسل پرغور کریں۔

سب کچھ تھا اشاروں پر	پانی تو بھرنا ہے
جیون پیاسا تھا	میرا دلبر تو
دریا کے کناروں پر	اک پیار کا جھرنا ہے
سب کچھ تھا اشاروں پر	پانی تو بھرنا ہے

جیون یہ بنا روگی	تتلی پر پہرے تھے
دکھ زنجیریں ہیں	زنگ آلود ہوئے
خوشیوں نے سزا بھوگی	جو رنگ سنہرے تھے
جیون یہ بنا روگی	تتلی پر پہرے تھے
☆	☆

ان ماہیوں میں پہلا مصرعہ چوتھی لائن میں آ کر پورے ماہیے کے معنوی ربط میں ایک نئے بُعد کا اضافہ کر رہا ہے پھر تیسرے اور چوتھے مصرعوں کے معانی کی الگ سے کونپل پھوٹتی محسوس ہوتی ہے۔تاہم اس تجربے میں تین مصرعوں کے ماہیے کا اصل اور بنیادی وزن برقرار رہتا ہے۔ماہیے کی ظاہری ہیئت میں دوسرا تجربہ کلیم شہزاد نے شروع میں ''میرے اے ماہی!'' کے الفاظ کی اضافی سطر کا کیا ہے۔اس خطابیہ سطر میں دراصل پنجابی کے لوک گیتوں کے ایک خطابیہ ''میریا وے ماہیا'' کا سیدھا سادھا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔اس تجربے کے ماہیے بہت کم ہیں۔تاہم ان سے کلیم شہزاد کی ذہنی اپج کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

میرے اے ماہی !	میرے اے ماہی!
فصلیں پک گئی ہیں	اک جنگل بیلہ ہے
کب تُو آئے گا	گھر کو واپس آ
اب آنکھیں تھک گئی ہیں	اب شام کا ویلا ہے

ان دو تجربوں کے علاوہ کلیم شہزاد نے اپنے پرانے پنجابی ماہیوں کو اردو روپ دیا ہے اور ایسے ماہیوں کو ڈیڑھ مصرعی صورت میں پیش کیا ہے۔

کوئی چاند کے ٹوٹے تھے	اک ریل کی سیٹی ہے
پارس کر چھوڑے، دمڑی سے کھوٹے تھے	میری جانب سے، اکھ جان کے میٹی ہے

☆

اک جیکٹ کالی ہے
اس کو دو تاریں، جاں جانے والی ہے

☆

خوشیاں سی چھا گئی ہیں
کل وہ آئے گا، اب خبریں آ گئی ہیں

کلیم شہزاد کے ڈیڑھ مصرعی ہیئت کے ماہیے ان ''کرم فرماؤں'' کو ماہیے کے وزن کے سلسلے میں، تخلیقی رنگ میں عمدہ جواب ہیں جو ڈیڑھ مصرعی ہیئت کی آڑ لے کر تین مساوی الوزن مصرعوں کے ثلاثی نگاروں کو ''ماہیا نگار'' منوانے کی کوشش ناکام میں لگے ہوئے ہیں۔ کلیم شہزاد نے اپنے ڈیڑھ مصرعی ماہیوں میں ماہیے کے وزن کو پوری طرح اجاگر کر کے کج بحثی کرنے والوں کے لئے جائے فرار بھی نہیں رہنے دی۔

''وہ چاند گواہ میرا'' کے ماہیوں کے یہ تجرباتی ماہیے اور ڈیڑھ مصرعی ماہیے پڑھتے وقت مجھے ذاتی طور پر ایک انوکھا سا احساس ہوا۔ مجھے ایسا لگا جیسے پنجاب کی جٹی لڑکپن سے جوانی میں داخل ہو رہی ہے۔ اسے اپنے جسم سے روح تک انوکھی تبدیلیاں محسوس ہو رہی ہیں۔ لڑکپن کا بالا پن جیسے ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں ظاہر ہوتا ہے۔ تبدیلیوں کا احساس، کچھ سمجھ میں آنا، کچھ سمجھ میں نہ آنا۔ نئی جوانی کا خمار، الہڑ پن اور سادگی ۔۔۔۔ اس سادگی اور معصومیت میں وہ جٹی کبھی آئینے کے روبرو ہو کر سرخی پاؤڈر لگاتی ہے۔ آنکھوں میں کاجل کے لمبے ڈورے کھینچتی ہے ''میرے اے ماہی'' کا ٹیکا اپنے ماتھے پر سجاتی ہے اور پھر کبھی گوٹہ کناری والی قمیص کے ساتھ پہنی ہوئی سلوار کے اوپر ہی بڑا سا چولستانی گھاگھرا پہن لیتی ہے۔۔۔ آنکھ سے باہر تک نکلی ہوئی کاجل کی لکیر، بے جوڑ سرخی اور تھوپے ہوئے پاؤڈر پر کسی کو ہنسی بھی آ سکتی ہے اور سلوار کے اوپر گھاگھرا پہننے کا مذاق بھی اڑایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سارے عمل کے دوران اس الہڑ مٹیار کے جذبوں میں جو حلاوت ہے اور اس کی تبدیل ہوتی ہوئی شخصیت میں جو سادگی اور معصومیت ہے، ان سب کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کلیم شہزاد کے ماہیے ایسے ہی جذبوں کی حلاوت اور شخصیت کی سادگی سے عبارت ہیں۔

جب دودھ بلوتی ہوں
یاد تری آوے
چھپ چھپ کے روتی ہوں
جب دودھ بلوتی ہوں

مت دینا کبھی جھڑکی
چاند کو تکتی ہوں
میں کھول کے دل کھڑکی
مت دینا کبھی جھڑکی

☆

میرے اے ماہی!
جاں سولی پہ تل جاوے
تجھ کو جب سوچوں
ایک مینڈھی کھُل جاوے

☆

گڑیا کو لگا گوٹے
جان نمانی کو، کر چھوڑا ہے کیوں ٹوٹے

پنجابی ماہیوں کی طرح کلیم شہزاد کے ماہیوں میں کہیں عورت بولتی سنائی دیتی ہے تو کہیں مرد کی آواز میں بات کی گئی ہے۔ چونکہ یہ دونوں روایتیں پنجابی ماہیے میں موجود ہیں اس لئے اردو میں ان دونوں کے برتاؤ میں کوئی حرج نہیں۔ اردو ماہیے میں پنجابی روایت کے زیر اثر ماہیا اور ڈھولا کے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ کلیم شہزاد کے ہاں ''میرے اے ماہی'' والی اضافی سطر کے ماہیوں کے علاوہ اکا دکا مثالوں میں یہ الفاظ ملیں گے۔ انہوں نے محبوب کے لئے ان تمام مروج الفاظ کی جگہ سانول اور ساجن کے الفاظ کو زیادہ استعمال کیا ہے۔ اس سے یہ تاثر لیا جا سکتا ہے کہ کلیم شہزاد نے شاید شعوری طور پر پنجابی روایت سے انحراف کیا ہے لیکن یہ تاثر اس لئے درست نہیں کہ ان کے ماہیے تو پنجابی ماہیے کے لوک رس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ہاں سانول یار کا حوالہ سرائیکی روایت سے آیا ہے۔ حضرت خواجہ غلام فریدؒ چاچڑاں شریف والوں کی کافیوں میں سانول یار کا خوبصورت انداز میں ذکر ہوا ہے۔ مجھے کلیم شہزاد کے ہاں اسی کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ ایسا ہے تو تب بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ماہیے لوک رس کے مختلف ذائقوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

''وہ چاند گواہ میرا'' میں موضوعات کے تحت ماہیے کہنے کی روایت تھوڑی سی مزید مستحکم ہوئی

ہے۔سب سے پہلے ''محبت کے پھول'' میں ایسے ماہیے سامنے آئے تھے۔اب کلیم شہزاد نے حمد، نعت، کربلا، وطن سے محبت اور کشمیر کے موضوعات پر متعدد ماہیے کہہ کراس میدان میں پیش قدمی کی ہے۔اس مجموعہ کے ماہیوں میں پنجابی الفاظ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔کلیم شہزاد نے اپنے پنجابی ماہیوں کا جواردو ترجمہ کیا ہے اگراس میں سے بعض کواردو ماہیوں کا پنجابی ترجمہ کہہ دیا جائے تو یہ بات بھی مانی جاسکتی ہے مثلاً

کوئی چلتی گاڑی ہے
ہجر وچھوڑے نے،رَت جسم کی ساڑی ہے

رُوڑی پر کچرا تھا
میں انھول بڑی، وہ دل کا کھچرا تھا

☆ ☆

چرخے کی لٹھ ہووے
ہولے چل ماہی، مجھ سے نہ نٹھ ہووے

سنیارے ''ہس'' گھڑیا
جانے کیا غلطی، وہ پھرتا ہے کیوں لڑیا

پاکستان اور ہندوستانی پنجاب میں تو ایسے اردو ماہیے بخوبی سمجھے جاتے ہیں لیکن اردو دنیا کی ایک بڑی آبادی کے لئے ان کی تفہیم میں دقت ضرور پیش آئے گی۔ان ترجمہ کردہ ماہیوں کے علاوہ کلیم شہزاد کے باقی ماہیوں میں بھی پنجابی الفاظ بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔مثال کے طور پر۔

ہجراں کا روگی ہے
خیر زیارت کی
درآیا جوگی ہے

پیغام گھلا دینا
بازی میں ہاری
تم سکھیو بتا دینا

☆ ☆

گاڑی کی سیٹی ہے
ڈھونڈوں ساجن کو
سر پیار کی ''میٹی،، ہے

کانٹا سا کھُب جاوے
درد کی لہر اٹھے
دل غم میں ڈُب جاوے

ان ماہیوں میں پہلے ماہیے میں خیر کا لفظ خیرات مانگنے کے معنی میں آیا ہے۔دوسرے

ماہیے میں گھلا دینا کا مطلب ہے بھجوا دینا، تیسرے ماہیے میں آنکھ مچولی کا کھیل، پنجابی متبادل لُکن میٹی مذکور ہے۔جب ایک ڈھونڈنے والا دوسرے کوڈھونڈنے لگتا ہے تو پھر پہلا چھُپتا ہے اور دوسرا اسے ڈھونڈتا ہے، یوں باری (میٹی) بدلتی رہتی ہے۔چوتھے ماہیے میں کھُب کا لفظ چبھنے کے معنی ہیں اردو میں بھی مستعمل ہے، البتہ ڈُب بمعنی ڈوب آیا ہے۔ان وضاحتوں کے باوجود پنجابی سے بالکل ناواقف احباب کے لئے شاید ان ماہیوں سے صحیح طور پر لطف اندوز ہونا مشکل ہے لیکن پنجابی زبان سے آشنا قارئین کوان ماہیوں سے اور ایسے ہی دیگر ماہیوں سے جو سرور حاصل ہوگا اسے وہی بخوبی جان سکتے ہیں۔لیکن ایسے ماہیوں میں پنجابی الفاظ کے بکثرت استعمال اوران کے تئیں اجنبیت کے احساس کی شکایت کسی نہ کسی کونے سے آتو سکتی ہے۔میرا خیال ہے اردو زبان کا وہ سرمایہ جو بہت زیادہ فارسی آمیز ہے اور وہ سرمایہ جو ہندی آمیز ہے اسے رد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ماہیے کے ذریعے اگر پنجابی الفاظ اردو زبان کا حصہ بنتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ جو پنجابی الفاظ اردو زبان کوراس نہیں آئیں گے وہ رائج نہیں ہو پائیں گے لیکن جو الفاظ اردو زبان میں رائج ہوں گے وہ یقیناً اس میں اضافہ کا موجب بنیں گے۔سو کلیم شہزاد کے اس تجربے کی میں تائید کرتا ہوں۔۔۔ہاں ایک الجھن ہے جو بعض ایسے الفاظ کے تلفظ کے بارے میں ہے جو اردو پنجابی کے مشترکہ الفاظ ہیں مثلاً ''معاف'' کو پنجابی میں لکھا تو معاف ہی جاتا ہے لیکن بولا ''ماف'' جاتا ہے۔ایسے ہی تسبیح ، روح اور نہ کو لکھا تو ایسے جاتا ہے لیکن پڑھنے میں تسبی ، رُو اور ناں پڑھتے ہیں۔کلیم شہزاد نے بعض جگہ اس قسم کے الفاظ کو پنجابی تلفظ کے مطابق برتا ہے جبکہ اردو میں انہیں عیب سمجھا جاتا ہے۔اس الجھن کا فیصلہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ ہوتا جائے گا یا تو اردو زبان مشترکہ الفاظ کے پنجابی لہجے کو قبول کرلے گی، یا ہمارے ماہیا نگار خود ہی احتیاط کرنے لگیں گے۔فی الوقت کلیم شہزاد اور ایسے ہی دیگر ماہیا نگاروں کی یہی بڑی خوبی ہے کہ تخلیقی سطح پر الفاظ کے برتاؤ کے نئے تجربے کررہے ہیں۔

یوں تو کلیم شہزاد کے ماہیوں میں حمدیہ، نعتیہ اور کربلائی رنگ کی اپنی ایک شان ہے۔ سلگتے ہوئے سیاسی وسماجی مسائل پران کے افکار انہیں ایک محبِ وطن اور دردمند انسان ثابت

کرتے ہیں۔۔عشق سے جڑے ہوئے مختلف مضامین کا اپنا رنگ ڈھنگ ہے۔تاہم ان کے اُن ماہیوں میں ایک انوکھی لذت پیدا ہوگئی ہے جولوک رَس اور نئے طرزِ احساس سے مل کر تخلیق ہوئے ہیں۔ایسے چند ماہیے دیکھیں۔میں نے اپنے طور پر ان ماہیوں کا سرخی، پوڈر، کاجل اور اضافی گھا گھرا وغیرہ خود ہی ہٹا دیئے ہیں تا کہ یہ ماہیے اپنے اوریجنل روپ میں زیادہ واضح ہو کر محسوس ہوں۔

بس اللہ والی ہے
جیون گاڑی تو
اب چلنے والی ہے

☆

یہ ناانصافی ہے
بھوک ہے برسوں کی
روٹی ناکافی ہے

☆

آباد رہیں ڈیرے
کاسے نینوں کے
کیوں خالی رہیں میرے

☆

نیندوں کو سجا جانا
نین ادا سے ہیں
سپنوں میں چلے آنا

☆

مت چھیڑ فقیروں کو
جان سے پیاری ہے
یہ قید اسیروں کو

☆

دھارے سے بہتے ہیں
نیند بھلا کیسی
دُکھ جاگتے رہتے ہیں

☆

کھلتے ہیں خوابوں میں
پھول ہیں یادوں کے
ان سانس کتابوں میں

☆

پانی وہ چلی بھرنے
دید پیاسی تھی
آنکھوں سے بہے جھرنے

☆

اظہار پہ سختی ہے
دل دروازے پر
اک نام کی تختی ہے

☆

روحیں کیوں روتی ہیں
پلکوں کے آنچل
اشکوں سے بھگوتی ہیں

☆

کیوں ہاتھ ترا چھوٹا
نیند نہیں آئی
بے چین بدن ٹُوٹا

☆

آنسو کب ٹانکے تھے
رات نے پلکوں سے
کچھ موتی مانگے تھے

☆

اتنی مثالوں پر ہی بس کرتا ہوں کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ میں ساری مثالیں پیش کرنے بیٹھا تو آدھے سے زیادہ مجموعے کے ماہیے درج کرنے پڑ جائیں گے۔اردو ماہیے کے اس ابتدائی دور میں ماہیا نگاروں کی جو دوسری بڑی کھیپ سامنے آئی ہے کلیم شہزاد اس میں اپنی ذہن اپج اور تخلیقی فعالیت کے باعث ابھی سے الگ سے پہچانے جانے لگے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اردو ماہیے کی تحریک میں ان کی بے لوث تخلیقی شرکت ان کے لئے بھی اور اردو ماہیے کے لئے بھی بابرکت ثابت ہو!

(کلیم شہزاد کے ماہیوں کے مجموعہ ''وہ چاند گواہ میرا'' میں شامل)

افضل چوہان کی ماہیا نگاری

مظفر گڑھ کے باسی افضل چوہان سے حال ہی میں رابطہ ہوا اوران کے ماہیے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ان کے کے ماہیے پڑھتے ہوئے مجھے سب سے پہلے اس بات نے چونکایا کہ ان میں مندر کے حوالے سے اور ہندوستانی فضا کے حوالے سے بہت سی باتیں کی گئی تھیں ۔مسجد اور مندر کے تعلق سے ہماری فارسی،اردو اور پنجابی کی شعری روایات میں پہلے سے بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔تاہم اردو ماہیا میں مندر کی فضا بہت کم آئی ہے۔پروین کمار اشک،کرشن کمار طور اور سنجئے گوڑ بولے کے ماہیوں میں ایسا تھوڑا بہت ذکر ملتا ہے،لیکن یہ بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔مذکورہ بالا ماہیا نگاروں کے ہاں اگر ایسا ذکر کثرت سے بھی ملتا تو قابلِ فہم ہوتا۔افضل چوہان کے ہاں ایسا ذکر جاننے کے لیے پہلے چند ماہیے دیکھئے:

نہروں میں نہاتے تھے
پاس کے مندر سے
پرشاد چراتے تھے

بہتی ہوئی نیّا ہے
ڈانگ سے مت مارو
پنڈت کی گیّا ہے

بستی کے دامن میں
بچپن گزرا ہے
مندر کے آنگن میں

مندر کے دیپ جلے
سورج ڈھلتے ہم
تری بستی چھوڑ چلے

بھگوان اکتارے میں
سازسا بجتا ہے
جمنا کے دھارے میں

مندر میں ہیں تالے
کرنی بھگتوں کی
بھگوان ہی اب ٹالے

ان ماہیوں میں براہِ راست مندر اوراس کے دھارمک حوالہ جات ملتے ہیں،جبکہ کئی ماہیوں میں براہِ راست حوالہ نہ ہونے کے باوجود اُس ماحول کے ثقافتی اثرات کی خوشبو نمایاں ہے۔

خوشبولی مَٹی سے
جھونگا لیتے تھے
آنند کی ہٹی سے

ترے ہاتھ میں چھتری ہے
گھورتا رہتا ہے
گاؤں کا جو کھتری ہے

پنڈت کا چھورا ہے
نین شرابی ہیں
ظالم بڑا گورا ہے

جے پور مجھے جانا ہے
دیکھنا ہے تجھ کو
اسکول بہانہ ہے

جمنا کا کنارا ہے
لوگ بھی پیارے ہیں
اور گاؤں بھی پیارا ہے

ہم لوگ بریلی میں
چھوڑ آئے سب کچھ
دادا کی حویلی میں

افضل چوہان کے ماہیوں میں یہ ہندوستانی حوالے جیسے ایک طرف قدیم ہندوستانی کلچر سے ان کی وابستگی کا مظہر ہیں تو دوسری طرف خود ان کے اندر ان کے آباؤ اجداد کے ننھیالی اور ددھیالی عادات و اعمال کی جھلک کا احساس دلاتے ہیں۔یوں افضل چوہان نے ایک جنم میں جیسے کئی جنم جی لیے ہیں۔جس طرح جدید نظم میں میرا جی کے ہاں قدیم ہندوستان کی روح ملتی ہے، اس سطح پر تو نہیں لیکن اسی انداز میں افضل چوہان کے ایسے ماہیوں میں بھی قدیم ہندوستان کی روح کا احساس ہوتا ہے۔یوں اردو ماہیے میں یہ اپنی نوعیت کا انوکھا تجربہ ہے۔

ماضی کی کسی گونج سے قطع نظر پاکستان کے مقامی رنگ اور لہجے کو بھی افضل چوہان کے ہاں اتنی ہی وابستگی کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ان کے ماہیوں میں نہ صرف اپنے شہروں کا ذکر ملتا ہے بلکہ پنجابی زبان کے الفاظ بھی اردو میں بے ساختگی کے ساتھ استعمال کرنے کا رویہ ملتا ہے۔ذیل کے ماہیوں میں سے پہلے ماہیے میں اپنے شہر مظفر گڑھ کے ساتھ جھنگ شہر کا ذکر کر کے ایک نئے قصہ ہیر رانجھا کا اشارا دیا گیا ہے،جبکہ دوسرے ماہیے میں ضرورت کے لیے ''لوڑ'' اور بات چیت کے لیے ''گل'' کے پنجابی الفاظ کا استعمال بے ساختہ طور پر ہوا ہے۔

تتلی کے ہیں رنگ ماہیا
ہم ہیں مظفر گڑھ
تو رہتا ہے جھنگ ماہیا

ساڑھی ہے بنارس کی
ہمت تو ہے بہت
بس لوڑ ہے ڈھارس کی

تجھ سے کوئی گل ہووے
اپنے جیون میں
ایسا بھی پل ہووے

افضل چوہان کے ماہیوں کا عمومی رنگ پنجابی روایت سے منسلک رہتے ہوئے ان کی مختلف النوع سماجی واردات اور قلبی کیفیات کو اجاگر کرتا ہے۔

موروں کے پر ماہیا
پیار کی دنیا ہے
دُنیا سے نہ ڈر ماہیا

بہتا ہے تو بہنے دے
رنج کے دریا کو
مت آنکھ میں رہنے دے

کچھ کر کے دکھا ماہیا
گم ہے جو مدت سے
جا ڈھونڈ کے لا ماہیا

قسمت بھی عجب پھوٹی
ٹوٹ گیا خود تو
پر آس نہیں ٹوٹی

میٹھے نہیں پھل سارے
ہوتے نہیں جاناں
اک جیسے تھل سارے

بارش جب ہوتی ہے
لگتا ایسے ہے
برہن کوئی روتی ہے

مایوس نہ ہو ماہیا
آنکھیں نعمت ہیں
اتنا بھی نہ رو ماہیا

پتھر کو لگی جونکیں
توڑتی رہتی ہیں
غیروں کی ہمیں ٹوکیں

دکھ ہے ترے جانے کا
کوئی بہانہ ہو
آنسو کے بہانے کا

بیلوں کی نئی جوڑی
ڈور تعلق کی
ہم نے تو نہیں توڑی

تتلی کو پکڑ لینا
خواب میں آئے تو
بانہوں میں جکڑ لینا

راوی کا ہے پُل ماہیا
لوگ لگاتے ہیں
مٹی کا بھی مُل ماہیا

مجھے امید ہے کہ افضل چوہان کی ماہیا نگاری اپنے سارے منفرد اور عمومی رنگوں کے ساتھ اردو ماہیے میں خوبصورت اضافہ کرے گی۔ ان کی ماہیے میں دلچسپی اردو ماہیے کے لیے نیک فال ثابت ہوگی۔ میں ان کے ماہیوں کے مجموعہ ''خاموش نہ ہو ماہیا'' کی اشاعت پر انہیں مبارک باد پیش کرتا ہوا اور اس مجموعے کا دلی مسرت کے ساتھ استقبال کرتا ہوں!

(افضل چوہان کے ماہیوں کے مجموعہ ''خاموش نہ ہو ماہیا'' کا پیش لفظ)

''سوچ سمندر'' کے ماہیے

بخش لائل پوری ،لندن کے ممتاز ترقی پسند شاعر ہیں۔ اب تک ان کے پانچ شعری مجموعے ''لہو کا خراج''، ''زندانِ شہر''، ''بادِ شمال''، ''ابھی موسم نہیں بدلا''۔۔۔شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی شاعری اور ان کے ترقی پسند جذبات و احساسات کو ادبی دنیا میں بڑے بڑے ادیبوں نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان کی شاعری کو قبولیت کی سند دینے والے ادیبوں اور دانشوروں میں فیض احمد فیض، ڈاکٹر محمد حسن، جمیل ملک، منیر نیازی، رئیس امروہوی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر انور سدید، فارغ بخاری، محمود ہاشمی، ساقی فاروقی اور ایسے ہی متعدد دوسرے لوگ شامل ہیں۔ ان چند ناموں سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بخش لائل پوری کی عوامی شاعری کو عوام کے ساتھ اعلیٰ ادب پسند کرنے والے ادیبوں نے بھی پسند کیا ہے۔

انگلینڈ میں آنے والے اور یہیں آباد ہو جانے کے باوجود بخش لائل پوری اپنی ثقافتی جڑوں سے پوری طرح جڑے رہے ہیں۔ پنجاب کے مانچسٹر لائل پور شہر کو کبھی کا فیصل آباد کا نام مل چکا ہے لیکن بخش لائل پوری نے اپنے نام کا وہی حوالہ قائم رکھا ہے جو دراصل ان کی ثقافتی پہچان کا حوالہ ہے۔ پنجابی شاعری اور گیتوں نے انہیں بچپن ہی سے اپنے سحر میں لے لیا تھا۔ پنجاب کے دیہاتوں اور شہروں میں یکساں مقبول منظوم قصے کہانیوں نے ان کے اندر کے شاعر کی تربیت کی اور رفتہ رفتہ انہیں شعر گوئی کا شعور عطا کیا۔ شعر گوئی کے شعور اور ترقی پسند شعور نے مل کر ان کی شاعری کو دو آتشہ کر دیا۔ اپنے اردگرد کے ماحول سے لے کر بین الاقوامی صورت حال تک بخش لائل پوری کی بصیرت اور بصارت نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اس کا برملا اظہار کر دیا۔ وہ مظلوم

طبقوں کے لئے دردمند دل رکھنے کے ساتھ استحصالی قوتوں کے کڑے نقاد بھی ہیں۔ترقی پسند تحریک کے سارے اثرات ان کی شاعری میں فنکارانہ طور پر آئے ہیں۔فیض احمد فیض کی اس رائے میں بخش لائل پوری کی شاعری کے پس منظر اور پیش منظر کو بڑی ہی جامعیت کے ساتھ نشان زد کیا گیا ہے کہ

’’یہ ایک حساس دل کی سچی آواز ہے جس کا نوا سنج نہ صرف عصری تقاضوں سے بہرہ ور ہے بلکہ اپنی پر خلوص فکر اور جذبہ کے اظہار کو بھی مقدم سمجھتا ہے۔بخش نے اردو شاعری کی مروجہ ادبی زبان استعمال کی ہے اور ان کے کلام کا مزاج عوامی شاعری کا ہے۔سادگی، بے باکی، صداقت اور بے ساختگی جو اس نوع کی شاعری کا خاصہ ہے بخش کے کلام میں آپ کو ملے گی اور لطف دے گی‘‘۔

فیض کی بیان کردہ خوبیوں نے بخش لائل پوری کو موجودہ ترقی پسند شاعروں میں صف اول کا شاعر بنادیا ہے۔

ترقی پسند تحریک کے زیراثر لکھنے والوں نے اپنی تحریروں میں مصنوعی بین الاقوامیت پیدا کرنے کی بجائے ہمیشہ اپنے اردگرد کے ماحول کو اولین اہمیت دی ہے۔عوام کے مزاج، جذبات و احساسات کو عوام ہی کی زبان میں لیکن ادبی سلیقے سے بیان کیا ہے۔یوں ترقی پسند تحریک کے کامیاب تخلیق کاروں نے اپنی مقامیت سے ہی اپنے فن پاروں کو بین الاقوامیت عطا کی ہے۔ بخش لائل پوری نے بھی اپنی اوریجنلٹی کو قائم رکھتے ہوئے اپنی مقامیت سے ہی اپنی شاعری کی بنیاد اٹھائی ہے۔ماہیے سے ان کی دلچسپی اور وابستگی ان کے اسی رویے کی وجہ سے ہے۔پنجابی شاعری اور لوک گیت بچپن سے ان کے اندر رچے ہوئے ہیں۔اب پنجابی ماہیے نے اردو میں آکر ایک ادبی صنف کے طور پر خود کو نمایاں کیا ہے تو بخش لائل پوری نے اس نوخیز صنف میں اپنا ثقافتی حوالہ محسوس کیا ہے۔اس ثقافتی حوالے سے اپنی ترقی پسند آن بان کے ساتھ انہوں نے ماہیا نگاری بھی کی ہے اور اردو ماہیے کو ترقی پسند افکار سے بھر دیا ہے۔

یوں تو امین خیال، مناظر عاشق ہرگانوی، نذیر فتح پوری، انور مینائی اور متعدد دوسرے

ماہیا نگاروں کے ہاں عصری مسائل پر کھل کر جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔لیکن ان سب کے ہاں یہ انداز جزوی طور پر آیا ہے جبکہ بخش لائل پوری کے ہاں یہ رویہ اتنا مضبوط، توانا اور عمومی تاثر کا حامل ہے کہ یہی ان کی ماہیا نگاری کی اصل پہچان بن گیا ہے۔ پہلے سے جزوی طور پر اس انداز کے ماہیے موجود ہونے کے باوجود بخش لائل پوری کے ماہیوں کا یہ مجموعہ اس لحاظ سے ترقی پسند رویے کا پہلا مجموعہ ہے جو ترقی پسند سوچ کے بیشتر پہلوؤں کی ترجمانی کرتا ہے۔ماہیے کی پنجابی روایت میں اپنی بات ہمیشہ ایسے سیدھے سادے انداز میں کہی جاتی ہے جو قابل فہم بھی ہو اور پُر تاثیر بھی۔ ترقی پسند شاعری میں بھی مجموعی طور پر یہی انداز مقبول رہا ہے سو بخش لائل پوری کی پنجابیت اور ترقی پسندی۔۔۔دونوں کو ماہیے کی فضا راس آئی اور ان کی پنجابیت اور ترقی پسندی نے مل کر اردو ماہیے کو اس انداز کے ماہیوں کا پہلا بھرپور مجموعہ عطا کر دیا ہے اور انہوں نے اردو غزل اور نظم کی طرح ماہیے میں بھی اپنی تازہ کاری کے جوہر دکھائے ہیں۔

اس مجموعے کا نام ’’سوچ سمندر‘‘ ہے۔اس نام سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بخش لائل پوری کی شاعری میں سوچ کا غلبہ ہے۔ان کی سوچ، ان کی فکر نے ترقی پسندی کے جذبات کے ساتھ گُندھ کر ان کی شاعری میں ظہور کیا ہے۔اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی فکر اور جذبہ دونوں میں گہری ہم آہنگی ہے۔

میں نے تھوڑا پہلے اس امر کی نشان دہی کی ہے کہ بخش لائل پوری کے ماہیے ترقی پسند سوچ کے بیشتر پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں۔اس حوالے سے بخش لائل پوری کے ماہیوں کے مختلف موضوعاتی رنگ ایک نظر دیکھ لئے جائیں تو مناسب ہوگا۔اہل سیاست جو درحقیقت اقتدار کی میوزیکل چیئر گیم کھیلتے رہتے ہیں۔بخش لائل پوری ان اہل سیاست کے بارے میں کہتے ہیں:

گمراہ قیادت کی
نور پرستوں سے
کر بات نہ ظلمت کی

☆

افتاد نے گھیرا ہے
اہلِ گلستاں کو
صیّاد نے گھیرا ہے

☆

اس قوم پہ لعنت ہے
اپنی سیاست میں
چوری ہے خیانت ہے

حاصل ہے کہانی کا
داغ نہیں جاتا
صدیوں کی غلامی کا

☆

بے سمت غبارا ہے
نوک پہ جوتے کی
آئین کو مارا ہے

بندوق ہے شانوں پر
حکم اڑانوں کا
اور تیر کمانوں پر

ان چند ماہیوں سے ارضِ وطن کی گزشتہ نصف صدی کی تصویر کا ایک واضح خاکہ ابھر آتا ہے۔ آئین کو جوتے کی نوک پر مارنے کی بات کرنے والے اور بندوق کے زور پر حکومت کرنے والے عہد کا ذکر آئے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مذہب کی آڑ لے کر ظلم وتشدد کرنے والوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔بخش لائل پوری ایسے مذہبی لیڈروں اور ان کی حقیقت کو یوں ظاہر کرتے ہیں:

ہے ان کی حقیقت کیا؟
شہر کا ملاّ کیا؟
یہ پیرِ طریقت کیا؟

اوہام کے غاروں میں
بند ہیں مولانا
ماضی کے مزاروں میں

لیکن اہلِ مذہب اور مذہبی قیادتوں کے منفی کردار کے باعث بخش لائل پوری جیسے مذہب ہی سے بیزار ہونے لگتے ہیں۔ یہ مذہبی بیزاری ترقی پسند تحریک کے زیر اثر بھی ہوسکتی ہے۔تاہم اس رویے کے پنپنے میں بہر حال اہلِ مذہب کا عموماً اور مذہبی قیادتوں کا خصوصاً اہم کردار رہا ہے۔ یہ سب اپنے قول وفعل میں تضاد کے باعث منافقت کو فروغ دے رہے ہیں۔محبت کے بلند بانگ دعوے کرنے اور عملاً نفرت کے بیج بونے، ظاہری طور پر آزادی اور رواداری کی باتیں کرنی اور حقیقتاً جبر وتشدد اور بلیک میلنگ کو فروغ دینا، عوام کو قناعت کا درس دینا اور خود جاگیریں، جائیدادیں اور کمپنیوں میں حصے بناتے چلے جانا۔۔۔ ایسے ہی بے شمار منافقانہ رویوں کے باعث بخش لائل پوری مذہب ہی سے تنفر ہونے لگتے ہیں اور اس تنفر میں طنزیہ انداز ابھر آتا ہے۔

معبد ہیں، کلیسے ہیں
کہنہ عقائد ہیں
صدیوں کے کلیشے ہیں

مذہب وہ کانٹا ہے
جس نے فرقوں میں
انسان کو بانٹا ہے

☆

مذہب کی پناہوں سے
مجھ کو ثواب الٹا
ملتا ہے گناہوں سے

رہتے ہیں سرابوں میں
حال مقدر کا
پڑھتے ہیں کتابوں میں

مذہب کے نام پر جبر وتشدد کرنے والوں کے برعکس بخش لائل پوری اس کے صوفیانہ رواداری والے عمل پر یقین رکھتے ہیں اور ان کے نزدیک عملی رواداری اور انسانیت کو اس وقت تک فروغ نہیں ملے گا جب تک دل کو صاف نہیں کیا جائے گا۔اسی لئے وہ مذہب کی ظاہری صورت کو رد کرنے کے باوجود قلبی طہارت پر زور دیتے ہیں اور نفرت سے زخمی ہونے والوں کے داغ اپنے سینے پر سجاتے ہیں۔

کاشی ہو مدینہ ہو
سجدے لا حاصل
جب پاک نہ سینہ ہو

اخلاص کی مورت کو
صاف کرو پیارے
اب دل سے کدورت کو

☆

یہ بخش قلندر ہے
دل میں مسجد ہے
آنکھوں میں مندر ہے

آنکھوں کے ستارے ہیں
زخمی چہروں کے
سب داغ ہمارے ہیں

دنیا میں جو سماجی اور اقتصادی اونچ نیچ اور ناانصافی رائج ہے بخش لائل پوری اس سے بے حد دکھی ہیں۔غریب عوام، محنت کش مزدور اور کسان ان سب سے ان کی محبت اور وابستگی مذکورہ ناانصافیوں کے باعث مزید گہری ہوتی ہے۔

جینے کے قرینے سے
سانس معطر ہیں
محنت کے پسینے سے

جتنے بھی وڈیرے ہیں
قوم کے ڈاکو ہیں
یا بینک لٹیرے ہیں

تقدیر کے ہیٹے ہیں
جبر شکنجوں میں
دھرتی کے بیٹے ہیں

محنت کی کمائی ہے
روزِ روشن میں
آجر نے اُڑائی ہے

☆ ☆

ظلم، جبر اور ناانصافیوں کے خلاف بخش لائل پوری کہیں امید کے دیئے جلاتے ہیں تو کہیں غریبوں کو عزم و عمل کے لئے آمادہ کرتے ہی، جدوجہد کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور کہیں جرات رندانہ دکھاتے ہی۔اس نوعیت کے چند ماہیے دیکھیں۔

قسمت کے سکندر ہیں
جیل کے باہر ہیں
یا جیل کے اندر ہیں

لب اپنے کھول کبھی
توڑ یہ خاموشی
سناٹے میں بول کبھی

☆ ☆

بدلی ہے ہوا سائیں
ظالم کے آگے
مت سر کو جھکا سائیں

پُر مغز مقالوں سے
وقت کو بدلیں گے
ہم تازہ خیالوں سے

☆ ☆

سُولی پہ اذاں دیں گے
اندھوں کو آنکھیں
گونگوں کو زباں دیں گے

گردن کو اُٹھا کے چل
ظلم کی بستی میں
مت سر کو جھکا کے چل

بخش لائل پوری کے اب تک کے ماہیوں سے جو مجموعی تاثر بنتا ہے وہی ان کی اصل پہچان ہے لیکن ان کے ہاں جمالیاتی ذوق کی تسکین کرنے والے ماہیے بھی ملتے ہیں اور محبت کے مضمون سے متعلق بعض دلچسپ کیفیتیں بھی ملتی ہیں۔

پہلے عہد پیری کے ہاتھوں ہونے والے محبت کے یہ ماہیے دیکھیں۔ ہر محبت کرنے والا آخر کار ایسی ہی کیفیتوں سے دوچار ہوتا ہے۔

دریا کی روانی کو
عمر کے گھوڑے نے
پٹخا ہے جوانی کو

ہے جوش سمندر میں
پتھر مت پھینکو
خاموش سمندر میں

☆ ☆

حالات بھی یخ بستہ
جسم بھی ٹھنڈے ہیں
جذبات بھی یخ بستہ

رنگین کہانی کا
بھول گیا مجھ کو
اب دور جوانی کا

اب بڑھاپے کے ستم سے ہٹ کر ایسے ماہیے دیکھیں جن میں جمالیاتی عنصر نمایاں ہے۔

آنکھوں کے نگینے سے
ایک اشارہ کر
لگ جائیں گے سینے سے

آنکھوں نے اتاری ہے
دل کی چوکھٹ میں
تصویر تمہاری ہے

☆ ☆

ہونٹوں کی حلاوت سے
سانس پگھلتے ہیں
بوسوں کی حرارت سے

کیا پھول ہیں سرسوں کے
ٹوٹ گئے پل میں
یارانے برسوں کے

☆ ☆

موجوں کی روانی کا
سیل نہیں تھمتا
منہ زور جوانی کا

☆

خوش رنگ نظاروں کا
رات کے چہرے پر
گونگھٹ ہے ستاروں کا

☆

مجبور سے آئے ہیں
حسن کی بھکشا دو
ہم دور سے آئے ہیں

☆

ہم دل بہلاتے ہیں
جھوٹے سپنوں کو
آنکھوں میں سجاتے ہیں

شعروں میں سمایا ہے
درد پرائے کو
سینے سے لگایا ہے

☆

یہ رات، یہ تنہائی
دل بہلانے کو
چپکے سے چلی آئی

☆

تفسیر بتا کوئی
درد کے سپنوں کی
تعبیر بتا کوئی

☆

سونے کا بدن تیرا
وسدا رہے ہر دم
یہ حسن چمن تیرا

ایسے ماہیوں سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بخش لائل پوری کو اس انداز کے ماہیے کہنے میں بھی قدرت حاصل ہے لیکن ایسے ماہیے غالباً انہوں نے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے کہہ دیئے ہیں۔ان کی اصل وابستگی ترقی پسند خیالات اور جذبات سے ہے۔انہوں نے اپنی انسان دوستی والی سوچ کا جو شہر بسایا ہے ''سوچ سمندر'' کے ماہیے ہمیں اسی شہر کی سیر کراتے ہیں۔اس مجموعے میں گنتی کے چند ثلاثی اور قطعات بھی شامل ہیں تاہم بخش لائل پوری نے انہیں ماہیے سے واضح طور پر الگ کر دیا ہے۔''سوچ سمندر'' کے ماہیوں کی اہمیت کئی حوالوں سے بنتی ہے لیکن میرے لئے اس مجموعے

کے دو حوالے بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ایک حوالہ یہ کہ بخش لائل پوری جیسے لندن کے معتبر شاعر نے اس نوخیز اردو صنف میں اپنی تخلیقی بصیرت کا اظہار کر کے اس صنف کو مزید وقار اور اعتبار عطا کیا ہے اور دوسرا حوالہ یہ ہے کہ یہ مجموعہ اردو ماہیے میں ترقی پسند فکر کی بھرپور نمائندگی کرنے والا پہلا مجموعہ ہے۔میں اردو ماہیے میں اس نئے اور اہم اضافہ کرنے والے مجموعہ ''سوچ سمندر'' کا محبت کے ساتھ استقبال کرتا ہوں!

(بخش لائل پوری کے ماہیوں کے مجموعہ ''سوچ سمندر'' کا پیش لفظ)

محمد وسیم عالم کے ماہیے

اُردو ماہیے کو حالیہ برسوں میں جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ شعرائے کرام کے کسی خاص طبقے تک محدود نہیں ہے۔ پنجاب کی مٹی سے جڑے ہوئے شعراء نے بھی اسے اپنایا ہے تو مہاراشٹر، بہار، راجستھان اور یو پی کے علاقوں میں بھی اسے پذیرائی ملی ہے۔ نوجوان شعراء نے اس میں دلچسپی لی ہے تو بزرگ شعراء نے بھی ماہیے کو محبت کی نظر سے دیکھا ہے۔ بالکل نوآموز شاعروں نے ماہیے میں طبع آزمائی کی ہے تو کہنہ مشق شاعروں نے بھی ماہیے میں اپنی فنی مشاقی دکھائی ہے۔ یوں ماہیا نگاری میں رنگارنگی کی کیفیت دیکھی جا سکتی ہے۔ بعض ماہیوں کے رنگ شوخ اور تیکھے ہیں تو بعض پھیکے بھی ہیں۔ بعض ماہیے بہت عمدہ اور معیاری ہیں تو بعض بہت کمزور بھی ہیں۔ یوں شاعری کی کسی صنف کو دیکھ لیں اس میں معیاری مواد کے ساتھ ڈھیروں ڈھیر بھرتی کا مواد بھی ملے گا۔ اردو ماہیے میں فی الوقت جو لوگ کسی زاویے سے کمزور ماہیے کہہ رہے ہیں ان کی باقی شعری اصناف کے مقابلہ میں الگ سے ایک حیثیت بنتی ہے۔ جس طرح حضرت امیر خسرو سے لے کر ولی دکنی تک جن لوگوں نے درمیانی عرصہ میں غزلیں کہیں، بھلا وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ رہی ہوں اور غزل کی تاریخ میں ان سارے غزل گوؤں کے نام محفوظ ہیں، اسی طرح آج ماہیے کے اس ابتدائی دور میں جب اسے باقاعدہ طور پر اردو میں ایک شعری صنف کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے جو ماہیا نگار بھی ماہیے کہہ رہے ہیں، ان کی ماہیے کے لئے خدمات ماہیے کی تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔

محمد وسیم عالم کے ماہیے پڑھتے ہوئے دو تین باتوں کا مجھے فوری طور پر احساس ہوا ہے۔ ایک تو یہ کہ ان کے ماہیے پنجابی کی اس روایت سے متاثر ہیں جو اردو میں امین خیال کے ماہیوں کی

صورت میں نمایاں ہوئی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے ماہیے کے موضوعات عمومی طور پر وہی ہیں جو پنجابی ماہیے کے ہیں۔ مثلاً حمد، نعت، طبقاتی اونچ نیچ، دنیا والوں کی دنیاوی، سیاسی اور سماجی صورت حال۔۔۔۔ ان سارے موضوعات پر انہوں نے اپنے تاثرات کو سیدھے سادے الفاظ میں یوں سچائی کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ چند مثالیں دیکھ لیں:

چاہے تو عزت دے
رب کے ہاتھ میں ہے
چاہے تو ذلّت دے

اک نام محمدؐ کا
سب سے اعلیٰ ہے
پیغام محمدؐ کا

☆ ☆

کیا کھیل لکیروں کا
کھال غریبوں کی
اور مال امیروں کا

ایوان سجاتے ہیں
سب ہی مطلب کے
قانون بناتے ہیں

☆ ☆

پولیس بھی ہوتی ہے
چوری کرنے کی
کچھ فیس بھی ہوتی ہے

ہر گھر کو جلا دے گی
نفرت کی یہ ہوا
شعلے بھڑکا دے گی

☆ ☆

ہم سب ہیں تماشائی
ساتھ نہیں دیتا
مشکل میں سگا بھائی

کوے ہیں منڈیروں کے
کام کے لوگ سبھی
ڈیروں پہ وڈیروں کے

انہی موضوعات کو جب محمد وسیم عالم تھوڑے سے رمزیہ انداز میں بیان کرتے ہیں تو ان کے ماہیے اپنی سادگی کے ساتھ معنی میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں پھر وہ متعلقہ موضوع سے منسلک ہو کر ایک نئے معنی کا احساس دلاتے ہیں۔ یہ احساس ان کے ایسے ماہیوں کو ادبی شان عطا کرتا ہے

۔ایسے ماہیوں کی چند مثالیں بھی دیکھ لیں۔

ہاتھوں سے جو دی تھیں
وہ گرہیں اس نے
دانتوں سے کھولی تھیں

بجلی کے تاروں سے
بچ کے رہنا اب
مطلب کے یاروں سے

☆ ☆

ہر شاخ ہری دیکھی
ہم نے خوابوں میں
اک دنیا بھلی دیکھی

تیور تیرے دیکھے
یا چاروں موسم
پل پل بدلے دیکھے

☆ ☆

لاشے تو گرنے تھے
تتلی کے دشمن
جب باغ میں پھرنے تھے

اک سُونی بیٹھک ہیں
تیری سب باتیں
کہنے کی حد تک ہیں

محمد وسیم عالم کے ماہیوں میں تیسری بات مجھے یہ محسوس ہوئی ہے کہ انہوں نے پیار، محبت کے موضوع سے متعلقہ موضوعات کو اگر چہ روایتی انداز میں بیان کیا ہے لیکن ان ماہیوں سے غیر ارادی طور پر محبت کی ایک کہانی بنتی چلی گئی ہے۔محبوب کے حسن کی تعریف،اس کے بغیر زندہ نہ رہ جانے کا جذبہ، محبوب کی جدائی۔۔۔اور اس جدائی کا دکھ،کبھی یادوں کے سہارے جینے کا حوصلہ کرنا اور کبھی جیتے جی مر جانے کی کیفیت محسوس کرنا۔۔۔۔۔یہ سارے محسوسات وسیم عالم کے ماہیوں میں ایک مربوط کہانی سناتے ہیں۔چند ماہیوں سے ان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سوہنا سا رنگ دیکھا
میں نے ساجن کا
اک اور ہی ڈھنگ دیکھا

تو ٹال مٹول نہ کر
پیار کے مسئلے کو
بس یونہی گول نہ کر

☆ ☆

یہ راز نہ کھولوں گا
ترے ستم کو بھی
میں راز ہی بولوں گا

یوں غم کا مداوا کر
کالی راتوں کو
یادوں سے اجالا کر

☆ ☆

ہر بات ہی مانوں گا
دن کو رات کہے
تو، رات ہی جانوں گا

جینے کب دیتے ہیں
مرنے کی بھی دوا
پینے کب دیتے ہیں

☆ ☆

دل کو ناشاد نہ کر
وہ گر بھول گیا
اب اس کو یاد نہ کر

کتنے پاپڑ بیلے
تیرے لئے ہم نے
کیا کیا نہ ستم جھیلے

محمد وسیم عالم نے اپنے ماہیوں میں کہیں کہیں اردو الفاظ کو پنجابی لہجے میں برتا ہے۔ نہ کو نا، تو پنجابی کی طرح اردو ماہیے میں بھی کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔بعض ساکن حروف کو متحرک بھی کر دیا جاتا ہے اور ع گرنے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ ع تو خیر اردو میں بھی بعض اساتذہ نے گرائی ہے البتہ باقی الفاظ کے برتاؤ کے سلسلے میں کیا کہاں تک روا ہے؟ اس کے لئے ہمیں وقت کے فیصلے کا انتظار کرنا ہوگا۔ فی الوقت یہی بڑی بات ہے کہ ماہیے کے ذریعے الفاظ کے نئے برتاؤ کے تجربے ہو رہے ہیں۔محمد وسیم عالم نے بھی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ان کے ماہیوں کا یہ انداز ان کی ماہیا نگاری کے امکانات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

موجوں میں روانی ہے
عمر کا ہر پہلو
بہتا ہوا پانی ہے

اپنی ہی دنیا میں
روز وہ مرتا ہے
جینے کی تمنا میں

☆ ☆

سنسار میں بستے ہیں
بے اعتبارے بھی
اب ہم پر ہنستے ہیں

کوٹھے پر انٹینا
تیرے بن ساجن
مشکل ہے اب جینا

مجھے امید ہے کہ محمد وسیم عالم کے ماہیوں کے اگلے مجموعہ میں ان کی ماہیا نگاری کا یہ رنگ مزید گہرا ہوگا۔ان کا زیرِ نظر مجموعہ اردو ماہیے کے قارئین میں محبت کے ساتھ پڑھا جائے گا اور اردو ماہیے کی تحریک کو تقویت پہنچائے گا۔

(محمد وسیم عالم کے ماہیوں کے مجموعہ ''سب رنگ الفت کے'' میں شامل)

چھیّاں چھیّاں کے ماہیے

مغربی بنگال میں اردو ماہیے کو حالیہ دنوں میں جو مقبولیت اور پذیرائی ملی ہے میرے لئے حیران کن ہے۔شمیم انجم وارثی وہاں سے 34 ماہیا نگاروں کا ایک خوبصورت انتخاب شائع کر چکے ہیں۔فراغ روہوی کی جانب سے کلکتہ میں ایک کامیاب ماہیا مشاعرہ ہو چکا ہے اور اب فراغ روہوی کے ماہیوں کا مجموعہ ''چھیّاں چھیّاں'' شائع ہو رہا ہے۔مختلف ادبی رسائل میں فراغ روہوی کے ماہیے پڑھ کر میں خوش ہوتا رہا ہوں اب ان کے ڈھیر سارے ماہیے ایک ساتھ پڑھنے کو ملے ہیں تو میں جیسے خوشی سے لبالب بھر گیا ہوں۔

بعض ادیبوں نے محض اپنی بعض شخصی ترجیحات کے باعث غیر پنجابی۔۔۔اردو ماہیا نگاروں کے بارے میں ایسے رویے کا اظہار کیا تھا جس سے صرف ان کا زعم ہمہ دانی ظاہر ہوتا تھا۔اس زعم کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ معترضین گنتی کے چند اچھے ماہیے لکھنے کے بعد اپنے زعم کا خود ہی شکار ہو گئے۔دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ بہار اور پونہ کے بعد اب مغربی بنگال بھی اردو ماہیے کا مرکز بن گیا ہے اور اس مرکز کی مرکزی شخصیات میں ایک بے حد اہم نام فراغ روہوی کا ہے۔

''چھیّاں چھیّاں'' کے آغاز میں پہلے حمدیہ پھر نعتیہ اور پھر تھوڑے سے کربلائی ماہیے پیش کئے گئے ہیں۔ان ماہیوں سے محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

تعریف الٰہی میں
وقت مرا گزرے
توصیفِ الٰہی میں

☆

پھٹ جائے نہ سینہ چل
دل کی دوا لینے
چل کوئے مدینہ چل

☆

کس حال میں لشکر تھا
دھوپ کی چادر تھی
اور ریت کا بستر تھا

کربل کی کمائی تھی
پیاس شہیدوں کی
کوثر نے بجھائی تھی

اب فراغ روہوی کے چند ایسے ماہیے دیکھیں جنہیں پنجاب سے تعلق رکھنے والے ماہیا نگاروں کے سامنے اعتماد کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے :

کیا مجھ کو دوا دو گے
زخم مرے چھُو کر
پھر درد بڑھا دو گے

اب انگلی ہے اٹھنے کو
نام کوئی دے دو
بے نام سے رشتے کو

☆ ☆

ہر حد سے گزرتے ہیں
پیار کے پنچھی کب
پرواز سے ڈرتے ہیں

رُکنا یا ٹھہرنا کیا
عشق کی راہوں میں
انجام سے ڈرنا کیا

☆ ☆

کس بات کی الجھن ہے
ٹوٹ نہیں سکتا
یہ پیار کا بندھن ہے

کچھ پاسِ وفا رکھنا
کون مٹا تم پر
یہ یاد ذرا رکھنا

☆ ☆

کیا آنکھ لڑا بیٹھی
اپنے ہی دل کو وہ
ایک روگ لگا بیٹھی

ہم جان گئے تجھ کو
دیر لگی، لیکن
پہچان گئے تجھ کو

پنجابی ماہیے کا سیاسی اور اخلاقی رنگ۔۔۔مغربی بنگال کے اردو ماہیے میں اپنے ماحول سے اُگتا ہوا یوں فراغ روہوی کے ہاں اظہار پاتا ہے:

ہم جنگ کے دشمن ہیں
رُوپ جو کجلا دے
اس رنگ کے دشمن ہیں

وہ کالا دسمبر تھا
رام کے بھگتوں سے
ماحول مکدر تھا
(سانحہ بابری مسجد کی شہادت کی طرف اشارہ ہے)

☆ ☆

اب ایسی فضا کیوں ہے
سردُرتوں میں بھی
یہ گرم ہوا کیوں ہے

منہ اپنا نہ کالا کر
اپنے بزرگوں کی
پگڑی نہ اُچھالا کر

فراغ روہوی نے ''بچوں کے ماہیے'' بھی کہے ہیں۔یہ تجربہ پنجابی ماہیا میں بھی نہیں ملتا اور اردو میں اس کی ابتدا فراغ روہوی کے ذریعے ہوئی ہے۔فراغ روہوی کے اس نوعیت کے یہ چند ماہیے اس رجحان کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں:

سُن میری دُعا یارب
باغ میں ٹافی کا
اک پیڑ اُگا یارب

کیوں اتنا ستاتے ہیں
خواب میں بھی ہم کو
اُستاد ڈراتے ہیں

☆ ☆

یہ کیسی کہانی ہے
دور تلک جس میں
راجہ ہے نہ رانی ہے

لوگو! یہ کرم کر دو
بوجھ کتابوں کا
ہم بچوں پہ کم کر دو

☆ ☆

میرے نزدیک فراغ روہوی کا یہ تجربہ خوبصورت بھی ہے اور کامیاب بھی۔۔۔آخر میں ''چھیّاں چھیّاں'' سے چند ایسے ماہیے دیکھیں جو ایک طرف ماہیا نگاری میں ان کی انفرادیت کا موجب بن سکتے ہیں تو دوسری طرف ان کے آئندہ امکانات کی طرف۔۔۔خوبصورت ممکنات

کی طرف اشارہ کررہے ہیں:

تھے کیسے دوانے ہم
آگ کو دامن سے
نکلے تھے بجھانے ہم

وہ خاک سمندر ہے
تہہ میں اگر اُس کے
موتی ہے نہ گوہر ہے

☆ ☆

اک اچھا سا گھر دیدے
چاندسی بیٹی ہے
مولا اسے بر دیدے

دفتر نہ بنا گھر کو
پھینک بہی کھاتے
چاہت سے سجا گھر کو

☆ ☆

اب وقت پہ سوئیں گے
جاگتی آنکھوں میں
سپنے نہ سنجوئیں گے

گم صم نہ رہا کرنا
یاد کے ساحل پر
لہروں کو گنا کرنا

☆ ☆

یوں ختم سفر کردو
چھوڑ گیا مانجھی
موجوں کو خبر کردو

تکیہ نہ بچھونا تھا
خواب میں بھی مجھ کو
چٹّان پہ سونا تھا

فراغ روہوی کے ماہیوں کا مجموعہ ''چھیّاں چھیّاں،، اردو ماہیے میں ایک اضافہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس مجموعے کے مطالعہ کے بعد مغربی بنگال میں خصوصی طور پر اور پوری اردو دنیا میں عمومی طور پر نئے شعراء بھی ماہیے کہنے کی طرف مائل ہوں گے اور اردو ماہیا ایک شعری صنف کے طور پر مسلسل مستحکم ہوتا چلا جائے گا۔

(فراغ روہوی کے ماہیوں کے مجموعہ ''چھیاں چھیاں'' میں شامل)

موسم سبھی اک جیسے

عاصی کاشمیری کی شعر و ادب سے وابستگی لگ بھگ نصف صدی کا قصہ ہو چلا ہے۔ شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کر چکے ہیں۔تاہم غزل ان کی پہچان کا بنیادی حوالہ ہے۔ اپریل ۱۹۹۷ء کے ماہنامہ ''کتاب نما'' دہلی میں ان کے مساوی الوزن سہ مصرعی ''ماہیے'' شائع ہوئے تو میں نے ماہیے کے وزن کے مسئلے پر اپنا موقف وضاحتی مراسلے کے طور پر ''کتاب نما'' میں اشاعت کے لئے بھیجا جو مئی ۱۹۹۷ء کے شمارہ میں چھپ گیا۔اس کے بعد میں عاصی کاشمیری کے ردعمل کا منتظر رہا۔''کتاب نما'' میں تو کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا لیکن ایک بار ویکلی ''راوی'' بریڈفورڈ میں دکھائی دے گیا۔''راوی'' کے کسی شمارے میں عاصی کاشمیری کے درست وزن کے ماہیے چھپے ہوئے تھے۔ مجھے ان ماہیوں کو پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ پھر دو ماہی ''گلبن'' احمد آباد، سہ ماہی ''کوہسار جرنل'' بھاگل پور اور ماہنامہ ''تخلیق'' لاہور اور دیگر جرائد میں ان کے ماہیے پڑھنے کو ملے اور مجھے محسوس ہوا کہ اردو ماہیے کے کارواں کو ایک ایسا خوبصورت ماہیا نگار مل گیا ہے جو ماہیے کی لوک لے سے بخوبی آشنا ہے۔ جب میرا عاصی کاشمیری سے رابطہ ہوا تو انہوں نے بتایا کہ پنجابی ماہیے کی لے کی بنیاد پر ماہیے کے اصل روپ سے تو وہ واقف تھے لیکن چونکہ اردو میں تین مساوی الوزن مصرعوں کا اہتمام کیا جارہا تھا تو میں نے اسے اردو روایت سمجھتے ہوئے اختیار کر لیا۔لیکن جیسے ہی مجھے علم ہوا کہ اردو میں بھی ماہیے کو اس کی لوک اصل کے مطابق رکھنے کی کاوش ہو رہی ہے تو میں نے اس رویے کو ترجیح دی۔۔۔۔

اب عاصی کاشمیری کے ماہیوں کے مجموعہ ''موسم سبھی اک جیسے'' کا مسودہ مجھے ملا ہے تو مجھے خوشی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی ہے کہ مختصر سے عرصہ میں ان کی اردو ماہیے سے وابستگی اتنی گہری

ہوگئی ہے ''موسم سبھی اک جیسے'' میں وہ تمام موضوعات ملتے ہیں جو پنجابی ماہیے کی راہ سے اردو ماہیے میں آ چکے ہیں۔ ان میں حمدیہ، نعتیہ اور دعائیہ ماہیے بھی شامل ہیں۔ سماجی ناانصافیوں پر برہمی کے مختلف رویئے بھی ملتے ہیں۔ ارض وطن سے محبت۔۔۔ عشق کی دنیا کے مختلف رنگ ڈھنگ اور بیتی یادوں کی کسک وغیرہ بھی موجود ہیں لیکن اب یہ سب کچھ ہوتے ہوئے ایک ایسا انداز بھی مل جاتا ہے جو ان کی ماہیا نگاری کو دوسروں سے مختلف کرنے کے ساتھ ان کی اصل پہچان کے امکان کو اجاگر کرتا ہے۔ پہلے عاصی کاشمیری کے روایتی انداز کے چند ماہیے دیکھیں۔

حمدیہ	تعریف سدا تیری	اسلام ہے دین مرا
	رہتی ہے ہونٹوں پر	ایک خدا پر ہے
	سب حمد و ثنا تیری	ایمان و یقین مرا
	☆	☆
نعتیہ	توقیرِ امامت ہیں	پھولوں پہ نکھار آئے
	عظمتِ آدم ہیں	ذکرِ محمدؐ سے
	وہ فخرِ رسالت ہیں	ہر شے پہ بہار آئے
	☆	☆
دُعائیہ	اتنی ہے دعا مولیٰ	کچھ ایسا مقدر کر
	میری خطاؤں کی	قطرہ ہوں پانی کا
	دینا نہ سزا مولیٰ	تُو مجھ کو سمندر کر
	☆	☆
سماجی اخلاقیات	اخلاق سے بے بہرہ	مغرب میں سزا بن کر
	رنگ جوانوں پر	سیکس کی بیماری
	مغرب کا چڑھا گہرا	پھیلی ہے وبا بن کر
	☆	☆

	مجرم ہی بناتے ہیں	یہ زیست کا حاصل ہے
	جتنے ڈرامے بھی	پینا پلانا اب
	ٹی وی پہ دکھاتے ہیں	آداب میں شامل ہے
	☆	☆
غریبی	جیتے رہے مرمر کے	کٹیاؤں میں دن کاٹے
	کٹ گئی غربت میں	کار، حویلی کے
	روٹی کو سدا ترسے	سپنے ہی نہیں دیکھے

ماہیے کے ان مروّج موضوعات میں عاصی کاشمیری کا اندازِ بیاں دل پر ہلکی سی دستک دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اردو ماہیے میں رشتے ناطوں کے مضمون میں ایک عمومیت سی راہ پانے لگی ہے لیکن عاصی کاشمیری کے بعض ماہیوں میں مذکورہ رشتوں سے ان کے تجربے کی نوعیت اتنی گہری ہے کہ وہ رشتے ناطوں کے مجموعی اظہار سے الگ ہو کر دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ان کے اس طرح کے یہ ماہیے دیکھیں:

بھابھی نے دیا طعنہ	اس جان سے پیاری ہے
جا کے ولایت اب	گڑیا سی لگتی ہے
گوری کا پکا کھانا	پوتی جو پیاری ہے
☆	☆
اب پیتا، پلاتا ہے	بچوں کی لڑائی سے
پب میں مرا لڑکا	بڑھنے لگے جھگڑے
ہر رات ہی جاتا ہے	اب میرے بھی بھائی سے
☆	☆

ہو جائے گا سمجھوتہ
بھائی تو بھائی سے
ناراض نہیں ہوتا

تھالی بھری پستے کی
بات کرو ماں سے
کوئی میرے رشتے کی

عاصی کاشمیری کے دو ماہیے ان کی ماہیا نگاری کو سمجھنے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ ماہیے یہ ہیں:

سادہ سی زباں رکھنا
سب سے الگ اپنا
اندازِ بیاں رکھنا

پنجاب کی ٹولی میں
گیت سناتا ہوں
کشمیر کی بولی میں

اندازِ بیاں سب سے الگ رکھنے کی کاوش مصنوعی طور پر ''منفرد'' دِکھنے کی کاوش نہیں ہے بلکہ عاصی کاشمیری نیک نیتی سے سادہ زبان میں اظہار کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ کشمیر کی بولی اور اہلِ پنجاب کی ٹولی کے الفاظ بھی ان کے ہاں عوامی زبان اور عوام کے ساتھ، عوام کے لئے جیسے مفہوم کو واضح کرتے ہیں تاہم ان کے ہاں ایسے لطیف رمزیہ اشارے بھی ملتے ہیں جو عوام کے لئے قابلِ فہم بھی ہیں اور ماہیے کو معیار کی عمدہ سطح تک بھی لے جاتے ہیں۔ ایسے متعدد ماہیوں میں سے یہ چند مثالیں:

ناراض ہوں ماہی سے
لکھ دیا خط اس کو
اب سرخ سیاہی سے

دن میرے بُرے آئے
جیسے کہ نندوں میں
دلہن کوئی گِھر جائے

سرخ روشنائی سے خط لکھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گھر سے کوئی بری خبر آئی ہے۔ پہلے ماہیے میں پنجاب کی اس پرانی رسم کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ مٹیارا اپنے ماہی سے ناراض ہے لیکن ناراضگی کا برملا اظہار بھی نہیں کرنا چاہتی۔ سو خط کے مضمون میں تو ناراضی نہیں جتائی لیکن سرخ روشنائی سے خط لکھ کر ماہی کو اپنی ناراضی کا احساس ضرور دلا دیا ہے۔ روشنائی کو پنجاب میں سیاہی ہی کہا جاتا ہے چاہے وہ کسی بھی رنگ کی ہو۔ سرخ سیاہی کی ترکیب کو اگر خون کے رنگ سے مماثلت دیں تو خون گر کر جم جانے کے بعد سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ یوں دل خون ہونے کا محاورہ معنی کے ایک

اور پرت کو سامنے لائے گا۔

دوسرے ماہیا میں ماہیا نگار نے اپنے برے دنوں کو نندوں میں گھری ہوئی دلہن سے تشبیہہ دے کر ہمارے سماج میں نندوں کے دلہن کے تئیں عمومی رویے کو اجاگر کیا ہے۔ لیکن اگر غور کریں تو یہ ہمارے سماج میں دلہن کی اپنی نندوں سے خواہ مخواہ کی کدورت کو بھی نمایاں کرتی ہے۔ یوں انہوں نے بظاہر ایک طرف کی بات کی ہے لیکن حقیقتاً نند اور بھابی کے اس منفی رویئے کو دوطرفہ طور پر دکھا دیا ہے جو ہمارے معاشرے کا ایک عمومی رویہ ہے۔ مذکورہ بالا دونوں ماہیوں سے ظاہر ہے کہ عاصی کاشمیری سادہ زبان کے استعمال کے باوجود ماہیے کو زیادہ بامعنی بتا دیتے ہیں۔

''موسم سبھی اک جیسے'' میں دو مختلف قسم کے مکالماتی ماہیے ملتے ہیں۔ پہلے مکالماتی ماہیوں میں ماہیا نگار کا مکالمہ ایک مشرقی مزاج کی محبت سے بھری خاتون سے ہوتا ہے جبکہ دوسرے مکالماتی ماہیوں میں ماہیا نگار کا مکالمہ ایسی خاتون سے ہوتا ہے جو مغربی ماحول میں پلی بڑھی ہے اور جس کے سامنے جذبوں سے زیادہ مادی آسائشیں فوقیت رکھتی ہیں۔

مشرقی خاتون سے مکالمہ میں محبت کی راہ میں جاں سے گزر جانے کا ارادہ، محبت میں قربانی دینے کے جذبے کو ظاہر کرتا ہے جبکہ مغربی مزاج کی خاتون سے مکالمہ میں مفاہمانہ انداز سے مل جل کر زندگی گزارنے کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ دونوں مکالماتی ماہیے پڑھنے والوں کو دلچسپ لگیں گے۔

عاصی کاشمیری کے ہاں یوں تو ہر طرح کے ماہیے مل جاتے ہیں۔ ان ماہیوں میں نشیب وفراز بھی موجود ہیں تاہم میرے نزدیک اس انداز کے ماہیے ان کی اصل پہچان بن گئے ہیں:

انعام محبت کا
داغِ جدائی ہے
یا پھول ہے فرقت کا

☆

کتنے ہی جتن کر کے
بھولے نہیں تم کو
ہم ترکِ وطن کر کے

☆

اترا ہے سرور اس کا
ڈھلتی جوانی نے
توڑا ہے غرور اس کا

☆

دلہن کی سہیلی کے
گر گئے جوڑے سے
کچھ پھول چنبیلی کے

☆

گرچہ ہے یہ نادانی
دل کی مگر میں نے
ہر بات سدا مانی

☆

بھٹکے ہوئے راہی کو
رستہ مل جائے
یا رب مرے ماہی کو

☆

اک رنگ نیا بھر دو
اپنی کہانی میں
اب ذکر مرا کر دو

☆

مسجد ہو کہ مندر ہو
خوف خدا لیکن
کچھ دل کے اندر ہو

☆

آوارہ نگاہی سے
سیکھا نہیں کچھ بھی
یاروں کی تباہی سے

☆

کھو جاؤں نہ میلے میں
ہاتھ پکڑ رکھنا
ڈرتا ہوں اکیلے میں

☆

اب توڑ نہ دل ماہی
دیکھ لوں جی بھر کے
اک بار تو مل ماہی

☆

جیسے بھی کٹی گزری
تیری محبت میں
اب ایک صدی گزری

☆

بہتے ہوئے پانی کا
موڑ نہ پائے رُخ
منہ زور جوانی کا

☆

چنبیلی کی کلیوں میں
گم ہے مرا بچپن
گجرات کی گلیوں میں

موسم کئی آئیں گے
پھول مرے دل کے
اب کِھل نہ پائیں گے

☆

پھل آئے درختوں پر
بھولے مسافر اب
آ جائیں گے رستوں پر

عاصی کاشمیری کے خوبصورت ماہیوں نے اردو ماہیے کی تحریک کو تقویت پہنچائی ہے۔ انگلینڈ کے اردو شعراء کے حوالے سے بات کی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ انگلینڈ میں سب سے پہلے درست وزن کے ماہیے کہنے والے ماہیا نگار عاصی کاشمیری ہیں۔ اب انگلینڈ میں بھی اردو ماہیا مقبول ہو رہا ہے تو اس میں عاصی کاشمیری کا بھی حصہ شامل ہے اور انگلینڈ میں تو اوّلین ماہیا نگار ہونے کا اعزاز تو بہرحال ان کا اعزاز ہے۔ مجھے امید ہے کہ ماہیے سے دلچسپی رکھنے والے عاصی کاشمیری کے اس مجموعہ کو بے حد پسند کریں گے اور اردو ماہیا نگاری میں ان کے ماہیوں کی قدر و قیمت کا بہتر طور پر تعین کیا جائے گا۔

میں ''موسم سبھی اک جیسے'' کا کھلے بازوؤں سے استقبال کرتا ہوں۔

(ماہیوں کے مجموعہ ''موسم سبھی اک جیسے'' میں شامل)

پیپل کی چھاؤں میں

اردو میں ماہیا نگاری کی جتنی مخالفت ہو رہی ہے اتنی ہی اسے مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ تھوڑا عرصہ پہلے برمنگھم میں ممتاز ادیب اور صحافی محمود ہاشمی سے ٹیلی فون پر بات ہو رہی تھی۔ ماہیے کا ذکر ہوا تو محمود ہاشمی نے بتایا کہ برمنگھم کی ایک شاعرہ اور مزاح نگار رضیہ اسماعیل بھی ماہیے کہہ رہی ہیں۔ مجھے اس خبر سے خوشی ہوئی، تاہم ہلکا سا وسوسہ بھی رہا کہ یہ بھی کہیں عارضی قسم کی ماہیا نگار خاتون نہ نکلیں۔ جب ان سے رابطہ ہوا تو میرا وسوسہ دور ہو چکا تھا۔ وہ مجھ سے کسی رابطہ کے بغیر محض ادبی تحریک سے اتنے ماہیے کہہ چکی تھیں کہ ان کا مجموعہ تیار ہو چکا تھا۔ جب رابطہ ہوا تو ان کا دوسرا ادبی کام بھی سامنے آیا۔ خواتین کی ادبی و ثقافتی تنظیم ''آگہی'' کو قائم کرنے کے علاوہ تخلیقی سطح پر ان کے کام کی کئی جہات ہیں۔ غزلوں کا مجموعہ ''گلابوں کو تم اپنے پاس رکھو'' طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ''چاند میں چڑیلیں'' اور نثری نظموں (نثرِ لطیف) کا مجموعہ ''میں عورت ہوں'' (اردو، انگریزی میں ایک ساتھ) شائع ہو چکے ہیں۔ شاعری کے بارے میں تو بات آگے ہوتی رہے گی، ان کی نثر کے حوالے سے محمود ہاشمی کی رائے درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ محمود ہاشمی لکھتے ہیں:

''شاعروں اور مشاعروں کی بالا دستی کے اس دور میں ایک شاعر کا نثر اور وہ بھی طنز و مزاح کی طرف متوجہ ہونا ایک خوش آئند بات ہے۔ رضیہ اسماعیل مبارکباد کی مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف نہایت سنجیدگی سے معیاری شاعری کی ہے بلکہ نثر لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ اگر لکھنے کا ڈھنگ آتا ہو، مزاج کی اپج ہو، طبیعت میں روانی ہو تو نثر میں برجستگی اور شگفتگی سے ایسی ایسی جادو بیانی کی جا سکتی ہے کہ اس پر کئی شعر قربان کیے جا سکتے ہیں۔ رضیہ اسماعیل نے نثر لکھ کر اس فصیل کو بہت حد

تک توڑ دیا ہے جو آج کے اکثر ادیبوں کے لاشعور میں نثر کی طرف جانے والے راستے میں ایک کوہِ گراں بن کر کھڑی رہتی ہے۔''

اب رضیہ اسماعیل کے ڈھیر سارے ماہیے ایک ساتھ پڑھنے کے بعد میرے سامنے رضیہ اسماعیل کی ایک اور جہت روشن ہے۔ ان کے ماہیے میں ان کے خیالات، احساسات اور تلخ و شیریں تجربات کا بے ساختہ اظہار ہے۔ ایک طرف ان کے ماہیوں میں حمد، نعت، سانحۂ کربلا اور تکریمِ صحابہ سے متعلق ماہیے ملتے ہیں تو دوسری طرف انگلینڈ میں مقیم ہونے کے باعث یہاں کے ثقافتی ٹکراؤ اور اس سے پیدا ہونے والی صورتحال کو عمدگی سے اجاگر کیا گیا ہے۔ پہلے تبرک کے طور پر چند دینی ماہیے دیکھئے:

تو باغ کا مالی ہے
تیری رحمت کا
جگ سارا سوالی ہے

رب کے احکام ہوئے
آقاؐ آپ کے ہم
بے دام غلام ہوئے

اک شاخ انجیر کی ہے
رشتہ مدینے سے
صورت زنجیر کی ہے

ہمیں تیرےؐ سہارے ہیں
پیاس بجھا دینا
کوثر کے کنارے ہیں

دریا میں سفینہ ہے
ماہِ رمضاں تو
بخشش کا مہینہ ہے

معراج کی رات آئی
جھولیاں بھر لو تم
رب کی سوغات آئی

جب غم کی گھٹا چھائی
پیٹتی سر اپنا
کربل میں قضا آئی

پانی کا سوالی ہے
نانا نبیؐ، جس کا
کوثر کا والی ہے

اشکوں سے وضو کر کے
ماہیے لکھتی ہوں
میں دل کو لہو کر کے

تو آمنہ جایا ہے
بی بی حلیمہ نے
تجھےؐ دودھ پلایا ہے

دو فاطمہ جائے تھے
تو نےؐ محبت سے
کاندھوں پہ بٹھائے تھے

بڑے دکھ سکھ ہوتے ہیں
تیرےؐ پہلو میں
تیرے یار بھی سوتے ہیں

ان ماہیوں میں مذہبی محبت اورعقیدت کا رنگ غالب ہے لیکن مجھے مذہب سے یہ لگاؤ ایک طرح سے ثقافتی رنگ میں بھی محسوس ہوا ہے۔انگلینڈ میں رہتے ہوئے جب ہمیں اپنا دیسی معاشرہ اور ماحول یاد آتا ہے تو اس کا مذہبی رنگ اس انداز سے اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔یوں بھی ثقافت کے ارضی رنگوں کے دوش بدوش آسمانی رنگوں کی آمیزش سے ہی کسی تہذیب وثقافت کی تکمیل ہوتی ہے۔آسمانی رنگ میں مذہبی عقائد سب سے قوی اور موثر ہوتے ہیں۔

ثقافتی ٹکراؤ یا ثقافتی بحران کی وہ صورت جو برصغیر سے تعلق رکھنے والے، یورپ میں مقیم کم و بیش ہر فرد کو درپیش ہے، رضیہ اسماعیل نے اسے اپنے ماہیوں میں اتنی عمدگی سے بیان کیا ہے کہ یہ گویا ہر دل کی آواز بن گئی ہے۔ایسے ماہیوں کی چند مثالوں سے میری بات بہتر طور پر واضح ہو سکے گی۔

کڑوے ہیں سکھ ماہیا
کس کو سنائیں اب
انگلینڈ کے دکھ ماہیا

کلچر کا رونا ہے
آ کے ولایت میں
اب کچھ تو کھونا ہے

سب زخم چھپاتے ہیں
رہنے کا یورپ میں
ہم قرض چکاتے ہیں

یو۔کے میں بستے ہیں
کیسا مقدر ہے
روتے ہیں، نہ ہنستے ہیں

انگلینڈ کے میلے ہیں
جھرمٹ لوگوں کے
ہم پھر بھی اکیلے ہیں

ہیریں ہیں نہ رانجھے ہیں
ہم نے ہوٹل میں
برتن بھی مانجھے ہیں

یورپ میں مقیم بعض دوسرے ماہیا نگاروں نے بھی یہاں درپیش مسائل کو عمدگی سے اپنا موضوع بنایا ہے لیکن ایسا انداز کہ جس سے ہم لوگوں کا ثقافتی بحران اور اس مسئلے کی داخلی کیفیات نمایاں ہو سکیں، اس کو رضیہ اسماعیل نے ایسی بے ساختگی سے بیان کیا ہے کہ یہ ان کی انفرادیت بن گئی ہے۔ایسی انفرادیت جس میں پورے اجتماع کی ترجمانی یا عکاسی موجود ہے۔

یورپی زندگی کی بعض نجی اور اجتماعی نوعیت کی ملی جلی چند مثالیں بھی دیکھتے چلیں:

کس دیس میں رہتے ہیں
بچے پیرنٹس کو
یہاں شٹ اپ کہتے ہیں

دادا ہے نہ دادی ہے
پکڑ کے ڈیڈی نے
شادی کروا دی ہے

یہاں کون ہمارا ہے
سردی دشمن ہے
ہیٹر کا سہارا ہے

کونجوں کی ڈاریں ہیں
بینیفٹ آفس میں
بڑی لمبی قطاریں ہیں

مغرب میں رہنے والی ایک پاکستانی عورت کی حیثیت سے ماہیا نگاری کرنے والی رضیہ اسماعیل نے ماہیے کے عمومی موضوعات کو بھی چھوا ہے لیکن ان میں دوسروں میں شامل رہنے کے باوجود ان سے ہٹ کر بات کرنے کی کوشش کی ہے۔کشمیر کے موضوع پر پاکستان اور انڈیا میں الگ الگ رائے پائی جاتی ہے اور دونوں طرف سے ماہیا نگاروں نے اپنے اپنے ماہیوں میں اپنے اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔رضیہ اسماعیل نے بھی کشمیر کے حوالے سے دو ماہیے کہے ہیں اور ان میں ایک پاکستانی کی حیثیت سے اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔تاہم ان کا ایک ماہیا اتنا عمدہ ہے کہ اس کی داد انڈیا کے ادبی ذوق رکھنے والے بھی دیں گے۔

کشمیر کی وادی ہے
جائے کوئی رو کے
یہ جبری شادی ہے

مجھے لگتا ہے کہ یہ ماہیا کہتے وقت بھی رضیہ اسماعیل کے لاشعور میں یورپی کلچر سے ٹکراؤ کا عمل جاری تھا۔یہاں بعض والدین نے جس طرح بچوں کی شادیاں جبراً کرنے کی کوشش کی اور اس کے نتیجہ میں جو تلخ مسائل پیدا ہوئے، رضیہ کے ہاں کشمیر کی سیاسی صورتحال پر اپنے پاکستانی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لاشعوری طور پر ان کا اظہار ہوا ہے۔تاہم یوں بھی نہیں کہ رضیہ صرف یورپ اور مشرق کے ٹکراؤ تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ان کے ہاں ماہیے کا وہ رنگ بھی نمایاں ہے جو

پنجاب کا رنگ کہلاتا ہے۔ان کے ایسے ماہیے دیکھیں:

میں لہر چناب کی ہوں
غیرت بھائیوں کی
بیٹی پنجاب کی ہوں

اک لڑکی گاؤں میں
ماہیے لکھتی ہے
پیپل کی چھاؤں میں

اک نہر کنارا ہے
گاؤں کا ہر ذرہ
مجھے جان سے پیارا ہے

بیلوں کی جوڑی ہے
اس نے شرارت سے
میری گاگر توڑی ہے

فصلوں کی کٹائی ہے
ساگ پراٹھے ہیں
کہیں دودھ ملائی ہے

ہاتھوں کی لکیریں ہیں
جوگیا! دیکھ ذرا
کیسی تحریریں ہیں

عورت کے حقوق کا موضوع رضیہ اسماعیل کا خاص موضوع ہے جو ان کی غزلوں، نظموں سے لے کر طنزیہ مزاحیہ مضامین تک نمایاں ہے۔ان کے ماہیوں میں بھی اس موضوع کو آنا تھا، سو آیا:

عورت کو ستاؤ گے
جنم جلی ہے جو
کیا اس کو جلاؤ گے

یہ دیئے کی باتی ہے
قدر کرو اس کی
دکھ سکھ کی ساتھی ہے

عورت کو دغا دو گے
بیوی بنا کر تم
چولہے میں جلا دو گے

کمہار کا آوا ہے
پکتا رہتا ہے
مِرے دل کا جو لاوا ہے

شبنم کا قطرہ ہے
تنہا عورت کو
ہر طرف سے خطرہ ہے

رضیہ اسماعیل نے اپنی ماہیا نگاری سے ماہیے کی تحریک کو تقویت پہنچائی ہے۔انگلینڈ کے مشاعروں سے لے کر بی بی سی ایشیا کے اردو ادبی پروگراموں تک اردو ماہیا کو ادبی وقار کے ساتھ متعارف کرایا ہے۔اب ان کے ماہیوں کا مجموعہ چھپنے جا رہا ہے تو مجھے دلی خوشی ہو رہی ہے۔
ان کے ماہیے ان کے دل کی کہانی ہیں۔اگرچہ انہوں نے یہ کہا ہے:

یہ دل کی کہانی ہے
کوئی نہیں سنتا
اب خود کو سنانی ہے

لیکن مجھے یقین ہے کہ اس مجموعہ کی اشاعت کے بعد ماہیے کے قارئین اس کہانی کو دلچسپی سے پڑھیں گے، کیونکہ یہ صرف رضیہ اسماعیل کی اپنی ہی نہیں، ہر صاحبِ دل کی کہانی ہے۔ ماہیا ''کتابِ دل'' ہی تو ہے۔
بہر حال رضیہ اسماعیل کے اس مجموعے کا دلی خوشی کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہوں!

(ماہیوں کے مجموعہ ''پیپل کی چھاؤں میں'' کا پیش لفظ۔۲۷ جنوری ۲۰۰۱)

امین بابر کے ’’سپنوں کا میلہ‘‘

امین بابر رحیم یار خان میں مقیم پنجابی اور اردو کے شاعر ہیں۔ان کے اردو ماہیوں کا ایک مجموعہ ’’سجدے محبت کے‘‘ چھپ چکا ہے۔اب ان کا دوسرا مجموعہ ’’سپنوں کا میلہ‘‘ چھپنے جا رہا ہے۔کسی دوست کے ماہیوں کا مجموعہ چھپ رہا ہوتو مجھے ذاتی طور پر بہت خوشی ہوتی ہے۔میری اس ذاتی خوشی میں اس وقت اس لیے بھی اضافہ ہو گیا ہے کہ یہ رحیم یار خان کے ایک ماہیا نگار کا مجموعہ ہے۔رحیم یار خاں میرا آبائی شہر ہے۔میں نے اپنا ابتدائی بچپن اور تیسری جماعت تک تعلیم یہیں حاصل کی۔پھر ہم لوگ خان پور چلے گئے۔لیکن رحیم یار خان سے نکل جانے کے باوجود یہ شہر آج تک میرے دل سے نکل نہیں سکا۔بلکہ جتنا اس شہر سے جغرافیائی فاصلہ بڑھتا گیا یہ شہر دل میں اتنا ہی زیادہ اترتا گیا۔اس لحاظ سے میں اپنے لیے اسے شہرِ محبت کہہ سکتا ہوں۔ایسا شہر محبت جہاں میرے کتنے ہی معصوم سپنوں کا میلہ سجا ہوا ہے۔تاہم یہ ایسا شہرِ محبت ہے جس نے میرے پرکھوں کو بھی دکھ دیئے اور میرا محبت کا تعلق بھی دکھ میں پرویا ہوا ہے۔اس کے باوجود میں اس شہر سے اپنے پرانے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے بھی خوشی محسوس کرتا ہوں۔

عمر کے اس حصے میں اور پھر جرمنی میں بیٹھ کر بھی میں اس شہر سے جو قلبی تعلق محسوس کرتا ہوں اس کے پیش نظر جب مجھے امین بابر نے اپنے ماہیوں کے دوسرے مجموعہ کے لیے کچھ لکھنے کو کہا تو مجھے دلی خوشی ہوئی۔امین بابر نے اپنے ماہیوں کے پہلے مجموعہ ’’سجدے محبت کے‘‘ سے لے کر اس نئے مجموعہ تک اپنا ماہیا نگاری کا انداز برقرار رکھا ہے۔عقیدت سے لے کر پیار محبت تک جتنے موضوعات بھی پہلے مجموعہ میں شامل تھے،ان سب کو امین بابر نے قائم تو رکھا ہے لیکن ان کو دیکھنے اور سمجھنے کے انداز میں آگے کی طرف قدم بڑھایا ہے۔چھیڑ چھاڑ یا طنز و مزاح والے ماہیے بھی ان

کے مزاج کا حصہ ہیں اور دوسرے مجموعہ میں بھی پہلے رنگ ڈھنگ کے ساتھ موجود ہیں۔

امین بابر کے موضوعات دراصل ان کے سپنے ہیں۔ایسے سپنے جو نہ صرف ان کے سپنے ہیں، بلکہ پاکستان کے عام انسانوں کے سپنے ہیں،تیسری دنیا کے کچلے ہوئے عوام کے سپنے ہیں اور جو حقیقتاً میرے جیسے ہر انسان کے سپنے بھی ہیں۔یہ کوئی بہت بڑے سپنے نہیں ہیں۔صرف باعزت جینے،محبت کے ساتھ جینے اور اپنے عقائد کے ساتھ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے سپنے ہیں۔جیو اور جینے دو کی بنیاد پر معاشرے کو قائم کرنے کے سپنے ہیں۔لیکن یہ امین بابر کا بھی المیہ ہے اور اس کی طرح مجبور پاکستانیوں،تیسری دنیا کے مقہور لوگوں،اور میرے جیسے لوگوں کا بھی مشترکہ المیہ ہے کہ اپنے معاشرہ میں اتنی سی آزادی کا خواب بھی پورا نہیں کر سکتے۔

آیئے امین بابر کے ماہیوں کے براہ راست مطالعہ سے ان کے سپنوں کی ایک جھلک دیکھتے ہیں:

سب خواب جھروکے ہیں
عشق کی دنیا میں
دھوکے ہی دھوکے ہیں

گردش میں ستارا ہے
ڈوبتی ناؤ کو
تنکے کا سہارا ہے

مومن ہے یا کافر ہے
زیست کی نگری میں
ہر سانس مسافر ہے

کیسی لاچاری ہے
کھانے کو مانگے
یہ پیٹ بھکاری ہے

تقصیر نہیں کرتے
در دِل کی ہم
تشہیر نہیں کرتے

تعبیر ہے خوابوں کی
چلتے رہے بابرؔ
ہم اور سرابوں کی

تعبیر نہیں چاہی
خواب کی سولی پر
تعزیر نہیں چاہی

ہنسنا کبھی رونا ہے
قسمت کے آگے
انسان کھلونا ہے

انبار ہے چاہت کا
شہرِ دل میں تو
بازار ہے چاہت کا

اک شخص اکیلا ہے
آنکھ کی پتلی میں
سپنوں کا میلا ہے

ان چند مثالوں سے امین بابر کے سپنوں اور ان کی تعبیروں کے المیہ کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

اس مخصوص حوالے سے قطع نظر جس طرح انسانی جذبات کئی کیفیات سے گزرتے رہتے ہیں، ویسے ہی امین بابر کے ہاں بھی بدلتی ہوئی کیفیات سے لبریز ماہیے ملتے ہیں۔عید کے موقعہ پر محبوب یا ساجن کی موجودگی کا احساس اردو شاعری میں ایک روایتی موضوع کی طرح رچ بس گیا ہے۔امین بابر بھی اس کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

پھر عید نہیں ہوگی
چاند سے مکھڑے کی
جب دید نہیں ہوگی

کیا خوب سماں ہوگا
عید کے موقعے پر
جب تو بھی یہاں ہوگا

لیکن روایتی مضمون کے ساتھ انہیں اپنے سامنے زندگی میں افلاس کی تلخ حقیقت دکھائی دیتی ہے تو وہ بے اختیار معاشرتی سچائی کو بیان کر کے اپنے سپنوں کی پناہوں میں چلے جاتے ہیں۔

روئے گا، رُلائے گا
مفلس بے چارا
کیا عید منائے گا

یادوں کے ریلے میں
عید گزاریں گے
سپنوں کے میلے میں

ماہیے کے مخصوص موضوعات میں امین بابر کی طبع رواں یوں ظاہر ہوتی ہے۔

دل کش سا پھندا ہے
پیار محبت بھی
بیکار سا دھندا ہے

کچھ دل کے اشارے پر
پیار کی ناؤ اب
اللہ کے سہارے پر

چاہت کو خفا کر کے
عشق نے پائی بقا
عاشق کو فنا کر کے

سب شکوے بھلا دینا
اپنی تو عادت ہے
سب کو ہی دعا دینا

امین بابر نے ظریفانہ ماہیے بھی کہے ہیں۔ایسے ماہیوں میں سماجی مسائل پر خالصتاً عوامی انداز سامنے آتا ہے:

چینی ہے نہ آٹا ہے
شادی رچانے میں
گھاٹا ہی گھاٹا ہے

معصوم، بچارا دل
تھر تھر کانپا ہے
جب بجلی کا دیکھا بل

لیکن تمام تر ہنسی مذاق اور طنز وظرافت کے باوجود زندگی کے تلخ حقائق اور زندگی کا انجام بھی ان کے مدِ نظر رہتا ہے اور وہ برملا اس کا اظہار کر دیتے ہیں۔

چاہت کے گھروندے ہیں
نفرت سے اس نے
جو پاؤں میں روندے ہیں

جتنا بھی جیالا ہے
آخر کو انساں
دھرتی کا نوالا ہے

مجھے امید ہے کہ امین بابر کے ماہیوں کا یہ دوسرا مجموعہ ''سپنوں کا میلہ'' اردو ماہیا نگاری میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہوگا۔ میں اس مجموعہ کی اشاعت پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کا خیر مقدم کرتا ہوں!

(امین بابر کے ماہیوں کے مجموعہ ''سپنوں کا میلہ'' کے لیے لکھا گیا)

جیم ۔ فے غوری کے ماہیے

جیم ۔ فے غوری ایک طویل عرصہ سے اٹلی میں مقیم ہیں۔پاکستان میں تھے تو وہاں سے ایک ماہنامہ نکالتے تھے۔''تلاش'' کے نام سے چھپنے والے اس رسالہ میں کچھ ادبی، کچھ سماجی اور کچھ انسانی حقوق کے حوالے سے تحریریں شامل ہوا کرتی تھیں۔یہ رسالہ اب سہ ماہی ہو کر اٹلی سے نکل رہا ہے۔اسی کی مناسبت سے جیم ۔ فے غوری نے ایک ویب سائٹ بھی بنا رکھی ہے۔

اس میں ادبی، سماجی اور انسانی حقوق کے حوالے سے خبریں، اطلاعات اور دوسرا مواد چھپتا رہتا ہے۔ایک رسالہ اور ایک ویب سائٹ چلانے کے ساتھ جیم ۔ فے غوری نے ادب کا تخلیقی عمل بھی جاری رکھا ہوا ہے۔لگ بھگ تیس سال پہلے ان کے افسانے روزنامہ امروز لاہور کے ادبی صفحہ پر چھپا کرتے تھے۔چند برس پہلے ان کا شعری مجموعہ بھی منظرِ عام پر آیا تھا۔میرا ان سے پہلا تعارف ان کے شعری مجموعہ کے ذریعے ہوا۔اس میں ان کے چند ماہیے بھی شامل تھے جو تینوں مساوی الوزن مصرعوں پر مشتمل تھے۔ظاہر ہے مجھے ایک بار تو انہیں بتانا تھا کہ ماہیے کا پنجابی لوک لے والا وزن کیا ہے؟

جب میں نے ان سے اس سلسلہ میں بات کی تو انہوں نے بڑی خوشی اور بشاشت کے ساتھ کہا کہ مجھے اس بارے معلوم ہوا تھا اور میں اب اپنے مطبوعہ ماہیوں کو بھی درست وزن میں کرتا ہوں اور آئندہ کے لیے آپ کے بیان کردہ وزن ہی کو ملحوظ رکھوں گا۔ان کے اس اندازِ گفتگو اور طرزِ عمل سے خوشی ہوئی۔جیم ۔ فے غوری نے ماہیے کی پنجابی لے کو اختیار کرتے ہوئے ماہیے کہنے شروع کیے۔اور اب جب کہ ان کا نیا شعری مجموعہ چھپنے جا رہا ہے تو اس میں ان کی دوسری

شاعری کے ساتھ ان کے کافی سارے ماہیے بھی شامل ہیں۔ان کی باقی شاعری اپنی جگہ۔۔مجھے یہاں ان کی ماہیا نگاری کے حوالے سے ہی کچھ کہنا ہے۔

اردو شاعری میں مسیحا اور مسیحائی کا استعارہ اپنے وسیع تر مفہوم میں اتنا مستحکم ہو چکا ہے کہ اگر اس کے حوالے جمع کرنے شروع کیے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔میری تخلیقات میں جہاں کہیں کہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے فرمودات سے فیض حاصل کیا گیا ہے وہیں بائبل کی دوسری کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔پیدائش، حزقی ایل، دانیال، مزامیر کے بعض حوالے یا اشارے تو مجھے اسی وقت ذہن میں آ گئے ہیں جو میری تحریروں میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔گویا میں نے جہاں قرآن شریف، احادیث، صوفیانہ روایات، بدھ کی تعلیمات، رامائن اور ویدوں وغیرہ سے استفادہ کیا ہے، وہیں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید سے بھی استفادہ کیا ہے۔

جیم ۔ فے غوری کے ہاں عہد نامہ قدیم کی چھاپ تو ہے لیکن عہد نامہ جدید کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔

رب الارباب خدا
کیوں اس دنیا میں
ہر شام کا رنگ جدا

کہنی ہیں مناجاتیں
کرن کے کاغذ پر
ہوں ختم ملاقاتیں

پھولوں کا مہینہ ہے
ہجر کی سُولی پر
رکھا ہوا سینہ ہے

تو ظلم مٹانے آ
خاک پہ بکھرے ہوئے
پھولوں کو اُٹھانے آ

اک قلعہ بنانا ہے
پتھر رد جو ہوا
کونے میں لگانا ہے

آنے کی بشارت دے
ہجر کے لمحوں کو
سہنے کی ہمت دے

پہلے چار ماہیوں میں بائبل کی روحانی فضا موجود ہے لیکن پانچواں ماہیا تو حضرت مسیح علیہ السلام کے اس فرمان پر مشتمل ہو گیا ہے۔ ''جسے معماروں نے رد کیا وہی پتھر کونے کا سرا ہو گیا'' میں نے اس فرمانِ مقدس کو اپنے افسانوں کے ایک مجموعہ میں باقاعدہ ایک کونے میں سجا کر پیش کیا تھا، شاید اسی لیے مجھے اس فرمان کو ماہیا کے روپ میں دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔

پاکستان میں مذہبی دہشت گردی، مذہبی نفرت انگیزی کے نتیجہ میں انسانی حقوق کی جو سنگین خلاف ورزی ابنائے وطن کے ساتھ روا رکھی جاتی ہے، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اس انسانیت سوز نفرت کا شکار ہونے والے اہلِ وطن پھر مجبور ہو کر وطن سے ہجرت کرتے ہیں۔ بیرون ملک آ کر ان سب کو مناسب تحفظ تو مل جاتا ہے لیکن اپنی دھرتی سے وابستگی اور محبت ان کے دلوں میں کسک پیدا کرتی رہتی ہے۔ یہ سارے تجربات جیم فے غوری کے ماہیوں میں یوں اپنا اظہار کرتے ہیں۔

گُل رنگ سہانے ہیں
پھر سے تازہ ہوئے
جو زخم پرانے ہیں

جذبوں کے ترانے ہیں
دیس کو دیکھے ہوئے
اب بیتے زمانے ہیں

جب دیس کی یاد آئی
رو کے سو گئے ہیں
یہ کیسی سزا پائی

طعنوں بھرے انگارے
قوم کے، سینے پر
چلتے ہیں دو دھارے

مجھے رب سے کہنا ہے
دیس میں اپنے کیوں
اک خوف سا رہنا ہے

اس تخصیص سے قطع نظر کرتے ہوئے اب جیم فے غوری کے چند ماہیے ان کے عمومی

انداز کے طور پر دیکھیں۔

سناٹے میں رہتے ہیں
خواب کی کشتی پر
ہم نیند میں بہتے ہیں

تنہا سی بستی ہے
دستِ فلک پہ کوئی
روشن سی ہستی ہے

نقطہ تھا کہ قطرہ تھا
حرف کے جنگل میں
شاخوں پر بکھرا تھا

دیکھا اک تارا ہے
صبح کا بھولا ہوا
قسمت کا مارا ہے

ہر زخم کو بھر دے گا
ماہی جب لَوٹا
مجھے زندہ کر دے گا

یادوں کے دوار کھڑے
ہجر کے بستر پر
دو خشک گلاب پڑے

دل توڑ کے مت جانا
رب کا گھر ہے یہ
یوں چھوڑ کے مت جانا

یوں ہوتے رہے مدغم
تم جو ہوا ہو تو
شعلے کی طرح ہیں ہم

قصہ ہی تمام کیا
تیری محبت میں
دل تیرے نام کیا

لو آئی ہے تنہائی
زرد دوپہروں میں
دکھنے لی انگڑائی

آؤ ہم پیار کریں
منکر دنیا میں
رب کا اقرار کریں

جیم فے غوری جس فراخدلی کے ساتھ ماہیا نگاری کی طرف متوجہ ہوئے ہیں، اس پر میں انہیں ماہیا کی دنیا میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

اپنی فضا اور اپنے موضوعات کے اعتبار سے جیم فے غوری کے ماہیوں کو اردو ماہیے میں ایک نیا ذائقہ کہا جا سکتا ہے۔ میں ان کی ادبی و تخلیقی کامیابیوں کے لیے دعا گو ہوں!

(جیم فے غوری کے ماہیوں کے مجموعہ ''خواب کی کشتی پر'' میں شامل)

ضمیر اظہر کی ’’پھول کہانی‘‘

ضمیر اظہر مرحوم کے ماہیوں میں پنجاب کی مٹی کی خوشبو،اس کے دریاؤں کی روانی،اس کے صحراؤں کی گرمی،اس کے کھیتوں کی ہریالی،۔۔۔خوشیاں اور دُکھ۔۔۔سب موجود ہیں۔ضمیر اظہر کے ماہیے پنجابی مزاج کے مطابق بھی ہیں اور پنجابی روایت سے آگے کے سفر کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں۔زندگی کے بارے میں ان کی سوچ کے انداز کو ان دو ماہیوں سے بڑی حد تک سمجھا جا سکتا ہے۔

کیا مان جوانی کا
ہے انجام خزاں
اس پھول کہانی کا

کیا روپ جوانی ہیں
نقش جو دنیا میں
موجود ہیں، فانی ہیں

ضمیر اظہر نے جب درست وزن کی ماہیا نگاری کو اختیار کیا تو یہ امید بندھی تھی کہ ان کی آمد سے درست وزن کی تحریک کو مزید تقویت حاصلو ہو گی۔ایسا ہوا بھی۔۔۔لیکن افسوس موت نے انہیں مہلت نہ دی اور وہ جلد ہی ہم سب کو داغِ مفارقت دے گئے۔انڈیا میں رشید اعجاز اور پاکستان میں ضمیر اظہر کی بے وقت موت نے اردو ماہیے کی تحریک کو دو خوبصورت ماہیا نگاروں سے محروم کر دیا۔

میر ذاتی طور پر ضمیر اظہر سے کبھی رابطہ نہیں رہا لیکن جب وہ غلط وزن کی ’’ماہیا نگاری‘‘

ترک کر کے درست وزن کی طرف آئے تو براہِ راست رابطہ نہ ہونے کے باوجود میرا ان سے ایک قلبی تعلق سا بن گیا تھا۔اسی لیے ان کی ناگہانی وفات سے مجھے شدید دکھ ہوا۔

’’پھول کہانی‘‘ کے یہ تھوڑے سے ماہیے تعداد میں بے شک کم ہیں لیکن اپنے معیار کے لحاظ سے ثلاثی قسم کی چیزوں کو ماہیے کے لیبل کے ساتھ پیش کرنے والے مجموعوں پر بھاری ہیں۔یہ ماہیے صرف ضمیر اظہر کی یادگار نہیں ہیں بلکہ یہ اردو ماہیے کی تاریخ میں بھی ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

(ماہیوں کے مختصر سے مجموعہ ’’پھول کہانی‘‘ میں شامل)

روہیں چناب کی

سیدہ نسرین نقاش سری نگر کشمیر میں اردو صحافت کے لیے اہم خدمات انجام دے رہی ہیں۔ صحافت کے ساتھ انہوں نے شعر وادب سے بھی اپنا تعلق قائم رکھا ہے۔غزلوں کا مجموعہ چھپ چکا ہے اوران کے ادبی مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں۔مشاعروں میں بھی ان کا نام گونجتا رہتا ہے۔ یوں نسرین نقاش بیک شعر وادب اور صحافت کی خدمت کر رہی ہیں۔اردو زبان کی خدمت کر رہی ہیں۔کچھ عرصہ پہلے نسرین نقاش نے ماہیا نگاری کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ہندوستان میں جو لوگ اردو ماہیا نگاری کی طرف راغب ہوئے،اپنے اخلاص کے باعث پنجابی زبان سے اور پنجاب کے ثقافتی پس منظر سے واقف نہ ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کئی عمدہ ماہیے تخلیق کیے۔ ایسے ماہیا نگاروں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی میں نسرین نقاش کی ماہیا نگاری اس لحاظ سے کچھ ہٹ کر ہے کہ کشمیر کی سرزمین سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ماہیے کی لوک لَے از خود ان کی روح میں رچی ہوئی ہے۔چنانچہ انہیں ماہیے کو سمجھنے کے لیے کسی عروضی مہارت کی ضرورت پیش نہیں آئی اور وہ اپنی فطری روانی میں ہی اردو ماہیے کہتی چلی گئیں۔

نسرین نقاش کے ماہیوں میں ایک طرف نسائی محبوبیت ہے تو دوسری طرف والہانہ محبوبیت ہے۔ایک طرف کشمیر کا حسن ہے تو دوسری طرف اس حسن کو گہناتا ہوا بارودی دھواں ہے۔ بنتے ،ٹوٹے ہوئے انسانی رشتے ،دکھ،سکھ،خوشیاں اور غم ملن اور جدائی۔کامیابیاں اور ناکامیاں۔اس طرح کی متعدد متضاد کیفیات سے گھلتے ملتے ہوئے نسرین نقاش کے ماہیوں میں تخلیقی حسن پیدا ہو گیا ہے۔خوشی کی بات ہے کہ نسرین نقاش نے ماہیے سے اپنی داخلی وابستگی کی بنا پر اتنے ماہیے کہہ لیے ہیں کہ اب ان کے ماہیوں کا مجموعہ چھپ گیا ہے۔میں دلی خوشی کے ساتھ نسرین نقاش کے ماہیوں کے مجموعہ کا استقبال کرتا ہوں!

(نسرین نقاش کے ماہیوں کے مجموعہ ’’روہیں چناب کی‘‘میں شامل تاثرات)

رائن۱؎ سے چناب ملا
کوئی حقیقت تھی
یا خواب سے خواب ملا

(حیدر قریشی)

۱؎ دریائے رائن جرمنی کا مشہور دریا ہے۔